

URDU Gif Format

ALHAZRAT NETWORK
اعلیٰ حضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف
اشارہ کرنیوالی صاف ستھری کتاب

الصافیۃ الموحیۃ الحکم جلود الاضحیۃ

۱۳۰۷ھ

مصنف:

اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا

ALHAZRAT NETWORK

اعلیٰ حضرت نیٹ ورک

www.alahazratnetwork.org

الصابیة الموجیة لحکم جلود الاضحیة

(چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف اشارہ کرنیوالی صفاستھری کتاب)

۲۹۳ مسئلہ

بسم الله الرحمن الرحيم ، نحمد الله ونسبحه على
رسوله الكريم ما قولكم دام فضلكم فمن باع
جلد اضحيتہ ليصرف ثمنه في وجوه القرب
لاعانة المدارس الاسلامیة و شواء حصو
المساجد و زيت قناديله و غيره ذلك من
القربيات التي لا تملك فيها ، فهل هو
جائز ، والصرف الى تلك الوجوه سائغ ام لا ،
بل يكون صدقة واجبة لا يصرف الا في مصارفها
افيد وناصحكم الله تعالى -

الجواب الحمد لله وبه نستعين ، والعقلوة
والسلام على سيد المرسلين محمد و
آله وصحبه اجمعين ، ما تقرب

مسلماً علامتے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں
کہ قربانی کی کھال کو راہ ثواب میں خرچ کرنے کیلئے
بیچنا جیسے مدارس اسلامیہ کی اعانت ، مسجد کیلئے
چٹائی ، روشنی وغیرہ کا رثواب جس میں کسی خاص
فقیہ کو مالک نہیں بناتے ، جائز ہے یا ناجائز ، او
ایسا پیسہ ان مصارف میں صرف ہو سکتا ہے یا وہ
صدقہ واجبہ ہے اور اس کا فقیر کو مالک بنانا ضروری
ہے ۔ بینوا تو جروا ۔

جواب اللہ تعالیٰ کے لئے تعریف ہے اور ہم
اسی سے مدد مانگتے ہیں ، درود و سلام سید المرسلین
صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل و اصحاب پر ،

الى الله تعالى بالقربانين ، نعم اذا باعه
بالدراهم لا لئال يتمول ، اور بيع
يتحصل ، بل ليصرفه الى وجوه القربان
ومرضات السرب ، جاز له ذلك
وان لم يوجد تمليك هنا لك
فان المطلوب في الاضاحي مطلق التقرب
دون خصوص التمليك من الفقير ولذا
جازت الاباحة ولو لغنى .

والمعنى المانع في البيع انها هو
القربان على قصد التمول كما نص عليه
الائمة الاعلام . قال في الهداية لا يشترط
به ما لا ينتفع به الا باستعماله كالخل
والابانير باعتبار ما بالخير بالدراهم
والمعنى فيه انه تصرف على
قصد التمول اه وفي مجمع الانهر
شرح ملتقى الابحر لا يبيعه
بالدراهم لينفق الدراهم
على نفسه وعياله والمعنى
انه لا يتصرف على قصد التمول اه
ومثله في البناية شرح
الهداية للعلامة البدار وغيره
من اسفاس العلماء الفرس ،

جب تک لوگ خدا کے لئے قربانی کرتے رہیں ۔
قربانی کی کھال کو تمول کی غرض سے نہ بیچا ہو ،
بلکہ کارِ ثواب میں صرف کرنے کی غرض سے بیچا ہو ،
تو یہ بھی جائز ہے اور ان مصارف میں اس کا صرف
کرنا بھی جائز ہے ، اگرچہ وہاں فقیر کو مالک بنایا گیا
ہو ، کیونکہ قربانی کا مقصد مطلق کارِ ثواب ہی ہے ،
فقیر کو مالک بنانا نہیں ، اسی لئے قربانی کا گوشت
وغیرہ مالدار کو دینا بھی جائز ہے ۔

اصل میں قربانی کی کھال کی بیع اس وقت منع
ہے جب اس کو اپنی ذات کے تمول کے لئے بیچا ہو ،
اسی کی علماء اعلام کے کلام میں تصریح ہے صاحب
فرماتے ہیں :

مثلاً کے قریبات | قربانی کی کھال سے ایسی
چیز نہ خریدے جس کو فنا کے بغیر اس سے فائدہ
نہ اٹھایا جاسکے جیسے سرکہ یا غلہ سے بدنا (کران) کو
ختم کر کے ہی ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے ، وہ مال
کے ساتھ بیع کرنے کی ممانعت کی وجہ بھی یہی ہے
کہ اس نے کارِ ثواب کی چیز کو اپنی ذات کے تمول
اور مالدار کی کے لئے برتا ۔

مجمع الانهر شرح طہتی الابحر میں ہے ، "روپیہ
کے بدلے بھینپا اس وقت منع ہے کہ وہ روپیہ
اپنے اور بال بچوں پر صرف کرے کہ یہی "تصرف علی

وجہ التمول ہے۔

یہی بات بنیاد وغیرہ کتب کبار میں ہے، تو ثابت ہوا کہ کھال کی وہی بیع منع ہے جو اپنی ذات کے نفی کے لئے دراہم یا برتنے سے ختم ہو جانے والی چیز کے بدلے میں ہو، اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ کار ثواب کے لئے بیچنے کا اس سے کچھ علاوہ نہیں، تو ایسی بیع ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے، بلکہ یہ تو اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے جس کے لئے قربانی ہوئی، تو اس کو تو درجہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔

علامہ محمد الدین زلیعی اپنی شرح کنز میں فرماتے ہیں، "اگر کھال کو صدقہ کرنے کی نیت سے بیچا تو جائز ہے، کیونکہ کار ثواب ہے، جیسے گوشت کی صدقہ کر دیتا۔"

امام زلیعی نے اپنے کلام میں بیع الدراہم کے جواز کی وجہ مطلقاً کار ثواب بتایا، بیع مسئلہ بھی کار ثواب کے لئے ہی ہے، پھر اس کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے، یہ بلاشبہ جائز ہے۔

ایسے پیسوں کا صدقہ واجب قرار دینا بالکل بے اصل بات ہے، جب خود قربانی کے گوشت اور کھال کا صدقہ کرنا واجب نہیں، تو اس کے دام کا صدقہ کس طرح واجب ہوگا، جبکہ صدقہ کو واجب کرنے والی کوئی نئی بات پیدا بھی نہ ہوئی۔

ہاں وہ بیع بالدراہم جو اپنی ذات کے

وظاہرات البیوع للقرب لیس من التمول فی شئ فلا وجہ لمنعه بل هو قربة لكونه فعل لأجل قربته، فيكون إقامة للمطلوب الشرعي لا دخولا في الوجه المنهي، الا ترى الى ما قال الامام العلامة فخر الدين الزيلعي في تبیین الحقائق شرح كنز الدقائق لو باعها بالدراهم ليستصدق بها بخلاف لانه قربة كالصدق له فانما علل الجواز بكونه قربة، وما نحن فيه ايضا كذلك، فيكون مثله في حكم الجواز واليت شعري من اين يحكم بوجوب التصديق مع انه لم يكن معيناً في القربان مما ساو ولا حدث آخر مما يوجب عينا بخلاف ما اذا باع بالدراهم لينفقها على نفسه وعياله حيث يجب التصديق لحدوث التمول المنهي عنه اقول والسرف ذلك ما يستفاد من كلمات العلماء الكرام ان اصل القربة في الاضحية انما تقوم باساقية الدم لوجه الله

تعالیٰ فمال یرق لایجوز الا انتفاع بشئ
منہ حتی الصوف واللبن وغیر ذلک
لانہ نوع اقامۃ القرۃ
بجسمہ اجزائہا فاذا اقیمت وحصل
المقصود ساغ الانتفاع علی جمیع
الوجوہ، بیدانہ لما کانت شیئاً
تقرب بہ الی المولیٰ سبحنہ
وتعالیٰ، والتقرب والتمول ضدان متباینان
لایلتزمان، فقد خرج بذلک عن
جہۃ التمول بحیث لا عود الیہ
ابداً فاذا قصد بشئ منہ التمول
فقد خالف واورث ذلک حیث فی
البدل، وایما مال حصل بوجہ
خیث فسیلہ التصدق، اما
القربات فلا تنافی التقرب
بل تحققہ ولا تورث خیثا بل
تزہقہ فمن این تحریم
وتجب تصدقہ، قال
الامام العینی فی البناۃ
المعفی فی اشتراء ما لا ینتفع
بہ الا بعد استہلاکہ انہ
تصرف علی قصد التمول
وهو قد خرج عن جہۃ
التمول فاذا تمولتہ بالبیع
وجب التصدق لان هذا

انتفاع کے لئے ہو، وہ ضرور بیع منہی عنہ ہے کہ
اس بیع کا مقصد مال حاصل کرنا ہے، اور یہ شرعاً
منع ہے، اس کا مجید یہ ہے کہ قربانی میں اصل
کارِ ثواب اللہ کے لئے خون کا بہانا ہے، اسی لئے
جب تک جانور سے یہ اصل غرض حاصل نہیں
ہوتی اس سے ہر قسم کا انتفاع مطلقاً منع ہے، نہ
یہ ہے کہ اونی اور دودھ سے بھی انتفاع جائز نہیں
نہ قربانی کرنے والے کو نہ غیر کو، اور جب اصل غرض
حاصل ہوگئی تو اس کے تمام اجزاء سے ہر قسم کا انتفاع
جائز ہوگا، لیکن قربانی شدہ جانور کو کلاً یا بعضاً
کسبِ زر کے لئے بیچنا، اس کو قرابت اور
کارِ ثواب سے بچھڑ کر دنیا کی طرف موڑ دینا ہے،
اور کارِ ثواب اور حصولِ زر میں منافات ہے،
اس لئے اس طرح بیع ناجائز اور منع ہوگا، اور
جو روپیہ اس طرح حاصل ہوگا وہ مالِ خبیث
ہوگا اور مالِ خبیث کا شرعی حکم صدقہ کرنا ہی ہے
اور صدقہ کی غرض سے بیچنے اور قربانی میں کوئی
منافات نہیں کہ یہ بھی کارِ ثواب اور وہ بھی کارِ ثواب
قریباً ایک طرح سے اسی کی تکمیل ہے، تو اس سے
حاصل شدہ رقم خبیث نہ ہوگی، لہذا یہ بیع بھی
حرام نہ ہوگی۔ اسی بات کو علامہ علی رحمۃ اللہ علیہ
نے بنایہ میں ارشاد فرمایا، ”جس چیز سے انتفاع
اس کے فنا کے بغیر نہ حاصل ہوا ایسی چیز سے بیع
حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس قربانی کے
جانور میں تمول کی غرض سے تصرف ہوا حالانکہ وہ جانور

الشن حصل بفعل مكره فيكون خبيثاً
 فيجب التصديق له وبه تبين
 وان كانت بينا بنفسه ان ليس
 كل تبدل بمستهلك تمولا والا لما جاز
 البيع بالدرهم بنية التصديق
 ايضا لصدق التمول عليه حيث
 فيكون تصرفا ممنوعا خبيثا وهو
 خلاف المنصوص عليه ويكون
 التصديق اذ ذاك لان ازالة الخبث
 والخروج عن المآثم لا لاكتساب
 الثواب والتقرب الى رب الارباب
 ولا يجوز له فيه رجاء القبول
 فان الله طيب لا يقبل الا الطيب
 ولو رجاء لباد باثم على اثم فان
 ارتجاع القبول في مال خبيث
 اثم بعياله كما صرحوا به
 وهذا كله باطل بالبداهة

تمول کی جہت سے نکل کر ہمیشہ کے لئے قرب کی جہت
 میں داخل ہو گیا ہے، تو جب اسے بیع کر کے کسب کیا
 کیا اس کا صدقہ واجب ہوا، اس لئے کہ یہ
 قیمت فعل مکروہ سے حاصل ہوئی، تو وہ خبیث
 ہوئی، اور اس کا صدقہ واجب ہو گیا۔

سوال و جواب | یہاں اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات تو
 سب کے نزدیک مسلم ہے کہ کمال کی بیع بطور
 تمول ناجائز ہے، اور حاصل ہونے والی قیمت
 خبیث ہے، ہمارا یہ کہنا ہے کہ کسی ایسی چیز
 کے بدلے بچینا جو برتنے سے ختم ہو جائے یہ
 بھی بیع بطور تمول ہے، تو کارِ ثواب کے لئے
 بھی اس طرح بچینا بطور تمول ہوا، جس کو ناجائز
 ہونا چاہئے، اور قیمت کا صدقہ واجب ہونا چاہئے۔
 جواب یہ ہے کہ اس خیال کی تردید امام عینی
 کا کلام کر رہا ہے کیونکہ انھوں نے تصدیق کے لئے
 مستهلك سے بھی بیع کو جائز قرار دیا، حالانکہ
 اس پر بقول آپ کے بیع برائے تمول صادق آتا

عہ فان نفس لفظ التمول يدل بعبارته
 على المال وبهيئاته على تحصيله
 لنفسه كما لا يخفى ۱۲ منه قدس سره۔

کیونکہ تمول اپنے لفظ کے اعتبار سے
 مال پر اور صورت کے اعتبار سے اپنی
 ذات کے لئے تحصیل پر دلالت کرتا ہے ۱۲
 قدس سرہ۔

قُتِبَ انْ لَيْسَ كُلُّ تَبْدِيلٍ بِمُسْتَهْلَكٍ تَمَوْلَا وَ
انْ الْبَيْعُ لِلتَّصَدَّقِ خَارِجٌ عَنْهُ فَكَذَا السَّائِرُ
الْقَرَبِ اِذَا فَارَقَ يَقْضَى بِكَوْنِ هَذَا تَمَوْلَا
وَذَلِكَ غَيْرُهُ وَمِنْ ادْعَاءِ فُلَيَاتٍ بِبَرْهَانٍ عَلَى
دَعْوَاهُ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ -

پھر بھی امام عینی نے اس کو جائز قرار دیا، تو ثابت ہو گیا کہ مستهلك سے بیع مطلقاً قبول کے لئے نہیں ہونی
فان قال قائل انما جازئ البیع
للتصدق لان للوسائل حكم المقاصد
فالبيع للتصدق مثل التصدق و
التصدق جائز فكذا البیع له -

قلت كذا لك البیع للتقرب
مثل التقرب والتقرب جائز فكذا البیع
له بل يلزم عليه جواز البیع
للاكل ایضاً لجوانه الاكل بنص القرأت
العظیم فالحق فی التحلیل ما قد منا
عن الامام الزیلعی من انه قریبة،
وحینئذ لابد من کلیة الكبری
القائلة بان كل قریبة تجوز ههنا
ینتج ان البیع للتصدق یجوز
ههنا وبه یتضح جواز سائر
القرب وضوح الشمس فی
رابعة النهار هذا وللعبد
الضعیف لطف به القوی اللطیف

چاہئے، اور اس کو حرام ہونا چاہئے، اور اس کا قصد
بلائیث ثواب ضروری ہونا چاہئے جو مال غیبی کا
حکم ہے اس سے ثواب کی امید رکھنا گناہ بالائے گناہ
ہونا چاہئے، اور یہ سب باطل ہے، کیونکہ یہاں
تصدق اور طلب ثواب کی نیت سے یہ بیع ہونی
ایک اور سوال و جواب اگر کوئی یہ کہے کہ صدقہ کی
غرض سے بیع جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیع صدقہ
کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور جو حکم مقصد کا ہوتا ہے
وہ وسیلہ کا بھی ہوتا ہے صدقہ جائز ہے تو اس کا وسیلہ
بیع بھی جائز ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاویل بعینہ دیگر
کار ثواب میں بھی جاری ہے کہ یہ سائے کار ثواب
جائز ہیں، تو اس کے لئے بیع بھی جائز ہونا چاہئے
بلکہ اس توجیہ سے تو اشیائے مستهلكہ کے عوض بیع
بھی جائز ہونا چاہئے، مثلاً غلہ کے عوض کھال بھی
اور غلہ کو اپنے استعمال میں لائیں کہ قربانی کو کھانا
جائز اور بیع اس کے حصول کا ذریعہ، اور جو حکم
مقصد کا وہی ذریعہ کا، تو یہ بیع بھی جائز، حالانکہ
اس بیع کے ناجائز ہونے کا جزئیہ کلام ائمہ میں
موجود ہے۔

تو ثابت ہوا کہ اصل علت جواز یہ نہیں کہ
وسیلہ مقاصد کے حکم میں ہے بلکہ اصل علت وہی ہے

تقریر آخر شامل و اظہر لبيان الفرق
تطهر به المسائل جميعا ان شاء
الله تعالى۔

(اس لئے کہ یہ کارِ ثواب ہے) اور منقہ کی زبان میں یہ قول قیاس کا صغریٰ ہوا، اور نتیجہ دینے کے لئے کبریٰ کا کلیہ ہونا ضروری ہے جو اس طرح ہوگا ہر قربت جائز ہے تو بات نصف النہار کی طرح واضح ہوگئی کہ ہر قربت اور کارِ ثواب کے لئے بیع جائز ہے، واللہ الحمد۔

فاقول وبالله التوفيق الجهات
ثلث، الاكل والادخار والاشتجار وهو
طلب الاجرباي وجه كانت فقد
اخرج ابوداؤد في سننه بسند صحيح
رواته كلهم من رجال الصحيحين
ما خلا مسدداً فثقة حافظاً
شيوخ البخاري عن نبیة الخیر
الہندی رضى الله تعالى عنه قال
قال رسول الله صلى الله تعالى عليه
وسلم انا كنا نهينكم عن لحومها
ان تاكلوها فوق ثلث لکی تسعكم
جاء الله بالسعة فكلوا وادخروا و
استجروا الا وان هذه الايام ايام اكل و
شرب وذكر الله عز وجل الله والاشتجار
باطلاقه يشمل التصديق وسائر وجوه التقرب
كما لا يخفى فان فسر مفسراً بالتصدق
فليكن التصديق في كلامه بالمعنى الاعم على
ما سياتيک تحقیقه ان شاء الله تعالى۔

ایک دوسری تقریر | شرعاً قربانی کے مصرف کی تین
جہتیں ہیں، اکل (کھانا)، ادخار (جمع کرنا)
ایتجار (کارِ ثواب) میں صرف کرنا چاہے کون سا بھی
کارِ ثواب ہو، جیسا کہ ابوداؤد نے ایک ایسی سند
سے جس کے تمام راوی بخاری اور مسلم کے رواۃ
میں ہیں، ایک صاحب حضرت مسدداً ایسے نہیں
توہ ثقتہیں، حافظ ہیں، اور امام بخاری کے
اساتذہ میں ہیں، الغرض یہ حدیث صحیح حضرت نبی
ہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، حضور
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تم کو قربانی کا
گوشت تین دن سے زائد روکنے سے منع کرتے
تھے، اس کا مقصد مسکینوں پر آسانی تھی، اب
اللہ تعالیٰ نے کشادگی فرمادی، تو اب کھاؤ، جمع
کردو اور کارِ ثواب میں صرف کرو۔ سنو یہ دن
ہی کھانے پینے اور ذکر الہی کے دن ہیں۔
تو اس حدیث سے مطلقاً ہر کارِ ثواب کیلئے
بیعنا جائز ہوا۔

فان قلت الوارد في حديث احمد
والبخاري ومسلم وغيرهم عن
ام المؤمنين الصديقة رضي الله تعالى
عنها قوله صلى الله تعالى عليه
وسلم كلوا وادخروا وصدقوا ،
فليحمل الاثبات على التصديق
الاتحاد الحكم والحادثة -

قلت كلا فان الامر ههنا
ليس للوجوب باجماع عامة علماء
الامة ، منهم ساداتنا الائمة الاربعة
رضي الله تعالى عنهم ، وقد نصوا
في غير ما كتاب ان لم ياكله كل
ولم يتصدق بشئ منه لاشئ عليه
ومعلوم ان الترخيص والترغيب في مقيد
لا ينفي الترغيب والترخيص في مطلق ،
فلا معنى للحمل ولاداعي اليه -

وسر المقام ان الحمل عندنا
ضروري لا يضار اليه الا لضرورة وهو
ان يتبانا بحيث لا يمكن العمل بهما
اما حيث لا تنافق فنحن نجري المطلق
على اطلاقه حملا للفظ على
ظاهرة وعلا بالدليل بتسامه ، قال
المولى المحقق على الاطلاق

سوال وجواب | اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ کارِ ثواب سے
مراد وہی فقراء پر صدقہ کرنا ہے ، تو ہمیں اصرار ہے کہ
حدیث شریف کا لفظ ایستجار تمام امور خیر کو عام ہے
اس کو تملیک فقراء والے صدقہ میں منحصر کرنا حکم ہے
ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب حدیث عام کو صدقہ
خاص پر محمول کرنے کی یہ دلیل دیں ، بخاری و مسلم
وغیرہ کتب احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس
میں ایستجار کے بجائے تصدقوا کا لفظ ہے ، تو
ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دینے کے لئے کیوں نہ ہم
لفظ ایستجار (کارِ ثواب) کو صدقہ پر محمول کریں کیونکہ
اصول کا مسئلہ یہ ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہو
تو عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے ، اور یہاں پر
ایسا ہی ہے کہ واقعہ دونوں حدیثوں میں قربانی کے
جانور کا ہے اور حکم بھی دونوں جگہ ایک ہی ہے ،
بس فرق یہ ہے کہ ابو داؤد شریف کی حدیث میں
صدقہ عام کا حکم ہے اور صحیحین کی حدیث میں
صدقہ خاص کا ، لہذا یہاں ایستجار سے مراد صدقہ
ہی ہے ۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ
جب حکم اور واقعہ ایک ہی ہو تو عام کو خاص پر
محمول کیا جائے گا ، لیکن یہ حکم عمومی نہیں کہ ہر وقت
مستحب کو عام ہو ، بلکہ صرف حکم وجوبی کے ساتھ

محمد بن الہمام قدس سرہ فی فتح القدیر
اجیب عنایانا انما نحمل فی الحادثة الواحدة
للضرورة الخ وقال فی تشیید هذا الجواب
تحقیقه ان الحمل لما یجب الا للضرورة
وهی المعارضة بین المطلق والمقید الخ
فالمناط عند التنقیح هو التمانع
دون اتحاد المحکم والحادثة۔

خاص ہے کہ احکام واجبیہ میں اتحاد محکم و واقعہ کے
وقت عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا، اور قربانی
کے مصرف کے سلسلہ میں جو محکم ہے استجابی ہے،
اس بات پر چاروں اماموں کا اجماع ہے، لہذا
مطلق کو مطلق اور مقید کو مقید رکھا جائے گا، ایک
کو دوسرے پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں، تو جس
حدیث میں تصدیق کا لفظ ہے اس سے وہی مراد
لیں گے، اور جس میں مطلقاً کا رثاب کا لفظ ہے اس سے جمیع وجوہ خیر مراد لیں گے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے باری باری دونوں ہی امور کی طرف رغبت دلائی۔

اس کا رمز یہ ہے کہ علمائے اخلاف کے نزدیک مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بدرجہ مجبوری ہے
یعنی جب مطلق اور مقید دونوں کو اپنے اپنے محل پر حمل کرنا ممکن نہ ہو، اور جہاں ایسا ممکن ہو حمل کرنے کی
بالکل ضرورت نہیں۔ امام ابن جام فرماتے ہیں: "حادثہ واجدہ میں مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بضرورت
ہے، جب مطلق اور مقید کے حکم میں تعارض ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے کہ مجبوری ہے۔"
تو ثابت ہوا کہ اصل مطلق کو مقید پر حمل کرتے کا سبب مطلقاً اتحاد محکم و عارضہ نہیں، بلکہ دونوں
محکموں کا تعارض اور منافاة ہے۔

مزید وضاحت کے لئے ہم کلام علماء سے چند
مثالیں پیش کرتے ہیں:
(الف) تلویح وغیرہ میں ہے: "مطلق اور مقید
اگر اسباب کے بیان میں وارد ہوں تو مطلق کو
مقید پر حمل نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ ایک شئی
کے چند اسباب ہو سکتے ہیں، تو تعارض نہیں، تو
حمل کی ضرورت نہیں۔"

یحزم بذلك من عاشر عوائل نفائس
عباس، اتهم فقد حکموا ان لا حمل ان
ومر دا فی السبب اذ لا تجاذب فی الاسباب
ولا ان کان منفيين لامكان الجمع
بالامتناع مطلقاً، وانه يحب الحمل
ان اتيا في حکمين مختلفين
يوجب احدهما تقييد الآخر

بتوسط لائزم، وذلك كالتين في
المقيد لائزم اطلاق المطلق فينتفي
بانتفاذه فينتقيد لا محالة كما
في اعتق عفى سرقته ولا تملك
سرقته كافرته فان النهي عن
تمليك كافرته ينتفي جو ان اعتاقها
عنه، اذ لا اعتاق عنه بدون
تمليكها عنه -

وقد اجابوا القائلين بالحمل
في الاسباب واختلاف الحوادث
بعدم التفاضل كما في
التلويح وغيره، وعلاوا وجوب
الحمل عند الاتحاد بالمتناع
الجميع ممثلين له بقوله تعالى
فصيام ثلاثة ايام مع قراءة
ابن مسعود رضي الله تعالى عنه
بزيادة متتابعات، قالوا فان
المطلق يوجب اجزاء غير المتتابع
والمقيد يوجب عدم اجزائه كما
في التوضيحات وغيره فقد افادوا ان
الحمل خاص بالايجاب دون
الجوانب والاستحباب، ولذا

(ب) تلويح میں اسباب متعدد اور اختلاف حوادث
کی صورت میں بھی مطلق کو مقید پر حمل کرنے والوں کو
جواب دیتے ہوئے فرمایا، "اگر ایک ہی حادثہ
میں ایک حکم میں مطلق کی نفی ہو، اور دوسرے میں
مقید کی نفی، تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائیگا
کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، اصل مراد
دونوں کی نفی ہے۔

ہاں دو ایسے مختلف احکام میں مطلق کو مقید
پر محمول کیا جائے گا، جہاں ایک حکم دوسرے کی
تقید کو مستلزم ہو جیسے کسی نے کسی سے کہا ہمارا
طرف سے ایک غلام آزاد کرو اور مجھے کسی مشرک
غلام کا مالک نہ بناؤ۔ ایسی صورت میں آمر کی
طرف سے صرف مسلمان خرید کر ہی آزاد کیا جائیگا
اگرچہ حکم مطلقاً آزاد کرنے کا ہے، لیکن مشرک غلام
کی ملکیت کی نفی نے تمليك کو صرف مسلم غلام
سے خاص رکھا اور اُسے مالک بنائے بغیر
اُس کی طرف سے آزاد نہیں ہو سکتا، تو جس کا
مالک بنا سکتا ہے، یعنی مسلمان کا، اُسی کو
آزاد بھی کرے گا، آزادی کا حکم لاکھ عام ہو۔

(ج) توضیح وغیرہ میں تعارض کے وقت مطلق کے
مقید پر محمول ہونے کی مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا،
"اللہ تعالیٰ نے کفارہ میں مطلقاً تین روزے

رکھنے کا حکم دیا، متفرق طور پر ہو یا مسلسل، اس سے
کچھ تعرض نہیں کیا صیام ثلثۃ ايام (تین روزہ کا
روزہ) لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ
عنه کی قرارت ثلثۃ ايام متتابعات (مسلسل
تین دن) آیا، یہاں ایک حادثہ میں دو متعارض
حکم واجب کئے گئے، کیونکہ آیت کا تقاضا یہ ہے
کہ متفرق طور پر بھی روزہ رکھ لے تو کفارہ کے لئے
کافی ہوگا، اور متتابعات کا تقاضا یہ ہے
کہ مسلسل رکھنا واجب ہے، اس لئے یہاں
مطلق کو مقید پر حل کیا جائے گا۔

تو ان علماء نے تعارض والی صورت کو وجوب

کے ساتھ خاص فرمایا۔

(د) یہی بات ما علی النبی بحوالہ علوم رضی اللہ تعالیٰ
عنه نے فرائح الرحموت میں فرمائی: ”مصنف کی
عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مطلق کو مقید پر
حمل کرنا احکام واجبہ کے ساتھ خاص ہے، احکام
مستحبہ اور مباحہ کے ساتھ نہیں، اس لئے کہ مطلق
اور مقید دونوں کے مباح ہونے میں کوئی تعارض
نہیں، البتہ احکام واجبہ میں تعارض ہے کہ مقید کا
تقاضا یہ ہوگا کہ جس نے قید پر عمل چھوڑ دیا، مجرم ہوا
اور مطلق کا تقاضا یہ ہوگا کہ کوئی مجرم نہیں کیا، اس
تعارض کو دفع کرنے کی ضرورت ہے، مطلق کو

قال المولیٰ بحوالہ علوم ملک العلماء
عبد العلی اللکنوی قدس سرہ فی فوائد
الرحموت شرح مسلم الثبوت، فیہ
اشارة الی ان الحمل انما هو اذا کان
الحکم الایجاب دون النہی اذ الایجاب
اولا ینال فی الاحیة المطلق و
المقید بخلاف الایجاب فان
ایجاب المقید یقتضی ثبوت
المواخذة بترك القید وایجاب
المطلق اجزأه مطلقاً، قول
الامام السغنائی فی النہایة علی
ما نقلہ فی البحر مقراً علیہ بل
متسکماً بہ من ان الاصح انه لا یجوز
حمل المطلق علی المقید عندنا لانی حادثۃ ولا عادتین حتی
جوز ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
القیسم بجمیع اجزاء الارض بحدیث
جعلت لی الارض مسجداً و
طہوراً ولم یحمل هذا المطلق
علی المقید وهو حدیث التراب
طہوراً او فلعلہ اسناد نفی نہ عم من
نہ عم ان مذهب اصحابنا رضی اللہ
تعالیٰ عنہم وجوب الحمل عند اتحاد

۱۔ فرائح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی فصل لمطلق ما دل علی فرد غشور الشرفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۔ بحر الرائق کتاب البیع فصل یدخل البناء والعایج فی بیع الدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۹۹/۵

الحادثة مطلقا ، فافاد ان ليس هذا ^{۵۲} مقيدان ليا جاتا ہے۔

من المناطق في شئ بل لا يجوز في حادثة
ايضا اي ما لم يتما لعا فيضطر اليه لدفع
التعارض ، الا ترى ان اما هنا الاعظم
رضي الله تعالى عنه لم يحمل الارض
على التراب مع اتحاد الحادثة وعلى هذا
التقرير لا يتجه ما اورد عليه العلامة المحقق
محمد بن عابدين الشامي قدس سره السامي
في رد المحتار كما اوضحته فيما علقته
عليه وللجهد الضعيف ههنا بحث شريف
لولا غرابة المقام لاتي به۔

ہی تیم جانز قرار دیا، اگرچہ حادثہ ایک ہی ہے۔

اس عبارت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امام سنی نے ان لوگوں کو جواب دے رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں
کہ حنفیوں کے نزدیک اتحاد حادثہ و علم ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے گا حالانکہ دار و مدار حادثہ
واحد یا متعددہ پر نہیں، تعارض پر ہے، اور اسی مجبوری سے عام کو خاص پر یا مطلق کو مقید پر حمل
کیا جاتا ہے، اور انہی سے ہمارے امام اعظم نے ایک حادثہ میں بھی عام کو خاص پر حمل نہیں کیا کہ ان
دو حکموں میں کوئی تعارض نہیں۔

(یہاں امام شامی کا ایک اعتراض ہے جس کا جواب ہم نے ان کی کتاب پر لکھ ہوئے اپنے
حاشیہ میں دیا ہے)

ایک اور دلیل | یہی حدیث حضرت سلمہ بن الاکوع
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد و شیخین نے اس طرح
روایت کیا:

(۱) کَلُوا (کھاؤ) اطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کر)
اور امام احمد، مسلم، ترمذی نے حضرت
بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت کی:

على ان لقائل ان يقول ان الاتجار ههنا
لوحمل على التصديق لكونه معه كالمطلق
مع المقيد فكذلك يجب حمل الاطعام
الوارد عند احمد والشيخين وغيرهم في
حديث سلمة بن الاكوع رضي الله تعالى عنه
كَلُوا واطعموا وادخروا، و

عند احمد و مسلم و الترمذی من
حدیث بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کلوا ما بقاءکم و اطعموا و ادخروا
و عند مسلم و غیرہ من رواۃ
ابی سعید الخدری رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کلوا و اطعموا و احبسوا
و ادخروا ، فان الاطعام ایضاً مع
التصدق کالاستجار مع انہ باجماع
العلماء علی اطلاقہ جاسر لاتفاق علی
اباحة الاباحة و عدم قصر الامر
علی التملک ، فافہم و المتأمل الموفق
اذا نظر حدیث امتنا رضی اللہ تعالیٰ عنہا
مع هذه الاحادیث الاربعة الخ
فی روعہ ان المراد ثمة
بالتصدق المعنی الاعم الشامل
لجميع انواع القرب المالية

(۲) کلو ما بقاءکم (جتنا چاہے کھاؤ) و اطعموا
(کھلاؤ) و ادخروا (جمع کرو)
اور امام مسلم وغیرہ کے یہاں ان الفاظ میں مروی ہے،
(۳) کلو (کھاؤ) اطعموا (کھلاؤ) احبسوا
(روک رکھو) و ادخروا (جمع کرو)

حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس
کے ساتھ ملتی ہے، تو ان چاروں حدیثوں میں "کلو"
اور "ادخروا" کا لفظ مشترک ہے، صرف حضرت
نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں تفسیر لفظ
"ایتجدروا" (طلب اجر یعنی کارِ ثواب کرو) ہے
اور بقیہ تین حدیثوں میں "ایتجدروا" کے بجائے اطعموا
ہے، اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث میں
اس مقام پر تصدقوا ہے، گویا ان حدیثوں میں
تیسری چیز کو تین لفظوں سے تعبیر کیا، ایتجدروا
اطعموا، تصدقوا۔ اب اگر سب چھوڑ کر ہم یہ تسلیم
کر لیں کہ حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

علہ ای احادیث نبیشہ وسلم و بریدۃ
و ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۱۲ منہ
قدس سرہ۔

علہ ظنی انہ لابد ہہنا من لفظ علیہ
(ای یجب حمل الاطعام الواردة فی
الاحادیث علی التصدق)

یعنی حضرت نبیشہ وسلم، بریدہ اور ابی سہل
رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی احادیث - ۱۲ منہ
قدس سرہ۔ (ت)

میرا گمان ہے کہ یہاں "علیہ" کا لفظ ضروری
ہے یعنی حدیث میں وارد اطعام کو صدقہ پر
محمول کیا جائے۔ (ت)

۱۸۲/۱ امین کمپنی دہلی باب فی الرخصة فی الکھلا بعد ثلاث
۱۵۹/۲ صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب بیان ما کان من النہی عن کل لوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی

كما سيرد عليك تحقيقه
ان شاء الله تعالى كما تلتئم
وترد موسدا واحدا ، و
الاحاديث يفسر بعضها بعضا
وبالله التوفيق.

حدیث کا لفظ "ایستجدوا" عام نہیں، بلکہ حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کی طرح
اس سے مراد خاص صدقہ تملیکی ہے (یعنی جس
میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہوتا ہے) تو سوال
یہ اٹھتا ہے کہ بقیہ تینوں حدیثوں میں لفظ "ایستجدوا"

کے بجائے لفظ "اطعموا" ہے، تو اس کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث "تصدقوا"
سے وہی نسبت ہوئی جو ایستجدوا کو ہے، تو لازم ہوگا کہ اطعام کو بھی تصدقوا پر محمول کیا جائے اور
اطعام میں بھی اباحت کافی نہ ہو تملیک ضروری ہو، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قربانی کا
گوشت اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھلا دے تو یہ ناجائز ہوگا جب تک کہ فقیر کو اس کا مالک نہ کرے، جبکہ
تمام علماء کا اجماع ہے کہ آدمی قربانی کا گوشت جس طرح دوسروں کو دے سکتا ہے اسی طرح بطور
اباحت دعوت بھی کر سکتا ہے، اور اگر حدیث کے لفظ اطعام کو تصدق پر محمول نہیں کرتے تو ایثار کو کیسے
محمول کرتے ہیں۔

الغرض ان سب حدیثوں پر بحث غور کیا جائے گا یہ حقیقت چلتی جائے گی کہ تصدقوا سے مراد
صدقہ خاص نہیں، بلکہ عام طور پر ہر کارِ ثواب مراد ہے چاہے اس میں تملیک ہو یا نہ ہو۔

تاہذمزید | اور العناں پسندوں کے لئے تو
صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہی کافی ہے
جس میں وہ لفظ اطعام کی تفسیر مفہوم صدقہ
سے کرتے ہیں، عبارت ان کی یہ ہے: "مستحب
یہ ہے کہ صدقہ والا حصہ ایک مثلث سے کم نہ ہو،
کیونکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، دو چیزیں تو احادیث
سے ثابت ہیں، کھانا اور جمع کرنا، اور تیسری چیز
اطعام، یہ قرآن سے ثابت ہے، ارشاد الہی
ہے: اطعموا القانم والمعتز (کھلاؤ صابر اور مانگنے

وناہیک قول الامام الجلیل
صاحب الہدایۃ فیہا یتحب ان
لا ینقص الصدقۃ عن الثلث لان
الجهات ثلثة الاکل والادخار کما
سوینا والاطعام لقوله تعالى
واطعموا القانم والمعتز، فانقسم
علیہا اثلثا اھ، و معلوم ان
الاطعام لا یقتصر علی التملیک لا لغة
ولا شرعا وقد اجمعوا ہنہنا علی

جواز الاباحۃ بل نصوص ان کل ما شرع
بلفظ الاطعام جاز فیہ الاباحۃ لما سیأتی
فاین تعیین التملیک تدعون ، ثم رأیت العلامة
الاتعافی فی غایۃ البیان قال فی شرح هذا
الکلام وذلك لان الآية والمخبر تضمننا جواز
الاکل والصدق والادخار فكانت الجهات
ثلثا فانقسمت علیها ثلاثا اولها و معلوم ان
لیس فی الآية الا لفظ الاطعام المجمع علی
شوله للاباحۃ ، وقد عبر عنه بالصدق
فعلوان الصدق المذكور ههنا هو
المحلول علی الاتجار دون العکس
والله العوفی۔

والے فقیروں کو) تو جب جتیں تین میں تو گوشت
بھی تین حصہ کر لیا جائے۔

اس عبارت کے شروع میں جس کو صدقہ والا
حصہ کہا ہے یہ وہی ہے جس کو بعد والی عبارت
میں لفظ اطعام سے بیان کرتے ہیں ، اور یہ
بات تو سب جانتے ہیں کہ اطعام کے لئے تملیک
ضروری نہیں ، نہ شرعاً نہ لغتاً ، بلکہ سبب بالاتفاق
اطعام میں اباحت کو جائز رکھا ، بلکہ یہ تصریح کی کہ
جہاں لفظ اطعام آئے وہاں اباحت مراد ہوگی ،
امام اتعافی اسی عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں ،
"قرآن و حدیث نے جب کھانا ، صدقہ اور
جمع کرنا جائز قرار دیا ، تو جتیں تین ہوئیں ، لہذا
گوشت کا بھی تین حصہ کرنا چاہئے۔"

ہمارا کہنا ہے کہ آیت میں صدقہ کا لفظ بھی نہیں اطعام کا لفظ ہے جس کے لفظ میں اباحت داخل
ہے ، اور اسی کو یہ علماء لفظ تصدق سے تعبیر کرتے ہیں ، تو معلوم ہوا کہ اس موقع پر لفظ تصدق ہی عام معنی
میں مستعمل ہے ، اور اس سے ہر قسم کا کاربیر مراد ہے ۔

ایک شہد اور اس کا جواب | امام حاکم نے اپنی
مستدرک میں سورۃ حج کی تفسیر میں ابو ہریرہ رضی اللہ
عنه کے واسطے سے ایک روایت نقل کی ہے ،
امام بیہقی نے بھی سنن کبریٰ میں اسے نقل کیا ، حاکم
نے اس حدیث کو صحیح الاسناد بتایا ، لیکن امام
ذہبی نے تخفیف میں اس پر جرح کی ، جو کچھ بھی ہو یہ

ثم ان الحاکم دوی فی تفسیر سورۃ الحج
من مستدرکہ بطریق مزید الجواب عن
عبد اللہ بن عیاش المصری عن الاعرج
عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال
قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
من باع جلد اضعیفہ فلا اضحیۃ لہ

لہ غایۃ البیان

لہ مستدرک للحاکم کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الحج

دار الفکر بیروت

ورواه البيهقي ايضا في سننه الكبرى ،
 قال الحاكم صحيح الاسناد ولم يخرجاه
 قلت وهذا وان مرده الذهبي في
 التلخيص فقد تلقاه العلماء بالقبول ، و
 بهذا يتعوى الحديث وان ضعف سنداً ،
 بيد انهم كما ترى لا يجرون على اطلاقه ، فقد
 اتفقوا على جواز البيع بالتصدق ، ونص
 ائمتنا في الصحيح عندهم على جواز البيع
 بما يبقى ، فكان الشأن في تنقيح معنى الحديث
 وانا اقول وبالله التوفيق من تأمل
 نظم الحديث وامعن النظر في القواعد
 الفقهية ، الجاء ذلك الى الجزم بان
 المراد بيع خاص لا مطلق التبدل كيقبأ
 كان ، كيف وان التصديق من مقاصد
 الاضحية المأذون فيها شرعاً ، وان للتبدل
 حكم المبدل وقد ثبت شرعاً جواز دفع القيمة
 في زكوة وفطرة ونذر وكفارة كما نص
 عليه في الهداية والكافي والكنز
 والتنوير وغيرها عامة كتب المذهب
 فاذا جاز هذا ، والصدق قائم
 واجبة ، فلا ن يجوز وهي نافلة
 اولى قافهم ، اما عدم جواز ذلك
 في الهدايا والضحايا بان لا يريق الدم

حدیث علمائے اسلام میں مقبول و مستداول ہے
 اور یہ چیز ضعیف حدیث کو قوی بنا دیتی ہے
 الفاظ حدیث کے یہ ہیں ،
 من باع جلد اضحیة فلا اضحیة له .
 (جس نے قربانی کی کھال بھی اس کی قربانی نہیں)
 اس حدیث سے اگر کسی کو شبہ ہو کہ اگر بیوپر
 کے لئے بھی اس حدیث کی رو سے ناجائز ہوئی
 تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے اطلاق پر
 نہیں جس کے خارجی ، داخلی اور شرعی سبھی قسم کے
 شواہد ہیں ۔

خارجی دلیل تو یہ ہے کہ سارے علماء اس
 امر پر متفق ہیں کہ صدقہ کے لئے کھال کی بیع جائز ہے
 اور خاص علماء کے احناف تو باقی رہنے والی چیز
 کے بدلہ میں بھی اس کی بیع جائز قرار دیتے ہیں اور
 ظاہر ہے کہ سب علماء حدیث کے خلاف اتفاق
 نہیں کر سکتے ، اس لئے لامحالہ سب کے نزدیک
 یہ حدیث مطلق نہیں ہوئی بلکہ مؤول ہے ۔

شرعی شہادت یہ ہے کہ شریعت نے قربانی
 کے گوشت وغیرہ کے جو مقاصد قرار دیئے ہیں
 ان میں صدقہ بنیادی مقصد ہے ، اور ان روئے
 شرع بدل پر وہی حکم لاگو ہوتا ہے جو مبدل کا تھا
 چنانچہ زکوٰۃ و فطرہ میں جس طرح اصل (غلہ ، چاندی
 سونا وغیرہ) ادا کرنا جائز ہے ، اسی طرح اسکی

ويعطى القيم ، فان القربة فيها بالاراقة
 دون التصديق ، وهي غير معقولة ،
 فلا تستبدل ولا تتقوم ، كما افاده
 في الهداية والبحر وغيرهما
 ثم انا نجد المجزاء اي فلا اضحية
 له اعظم شاهد على عدم
 الاطلاق ، فان من باع
 للتصدق فقد اتى بما كان
 مندوبا اليه في الاضاحي ،
 فكيف يجازى بانتفاء قر به مع
 انه لم يزد على القربة الا
 قربة مطلوبة في خصوص
 المحل ، وقضية الجزاء ترتيبه
 على فعل ينافي التضحية و
 يتفي الاضحية على ما فيه من
 التاويل لكونه في معنى الرجوع
 عن القربة ، فلا يمكن ان يكون
 من باب القربة ، بل ولا من
 باب الاكل والادخار فان
 الشرع قد رخص فيهما ايضا
 مثل الاستجار ، ولو كان فيهما ما ينافي
 الاضاحي ويصح ان يترتب عليه نفى
 الاضحية ، لما اذن فيهما ، فعند

قیمت بھی ، تو قربانی میں بھی یہی ہونا چاہئے کہ جس طرح
 گوشت اور کھال کا صدقہ جائز ہے اسکی قیمت
 کا صدقہ بھی جائز ہو۔

ایک ذیلی شبہہ اور اس کا جواب | اصل قربانی
 میں تو ایسا نہیں ہوتا کیونکہ کوئی شخص قربانی کے
 بجائے اسکی قیمت صدقہ کرنا چاہے تو شہر عا
 جائز نہیں ، قربانی ہی کرنی ہوگی ، اس کا جواب یہ
 ہے کہ قربانی میں اصل مقصد خون بہانا ہوتا ہے
 جو قیمت صدقہ کرنے سے حاصل نہیں ہوتا ، اور
 چونکہ قربانی کا حکم قلا فیہ قیاس ہے ، اس لئے اس
 میں اپنی عقل سے بدلہ مقرر کرنا صحیح نہیں ، جیسا کہ
 تجرید بیانہ وغیرہ میں اسکی تصریح ہے ، اور گوشت
 اور کھال کا مقصد صدقہ ہے ، اس لئے قیمت سے
 بھی ادا ہو جاتا ہے۔

داخلی شہادت یہ ہے کہ یہ حدیث مبارک بطور
 شرط و جزا وارد ہوئی ، شرط یہ جملہ ہے ، ”جس نے
 قربانی کی کھال بیچی“ اور جزا یہ ہے ، ”اسکی
 قربانی نہیں ہوئی“۔

پس اس جزا کا تقاضا یہ ہے کہ شرط ایسی
 چیز ہو جس پر قربانی کی نفی مرتب ہو سکے۔ اور قربانی
 قربانی نہ جائے ، نہ کہ وہ چیز جس سے قربانی کا
 مقصد بدرجہ اتم حاصل ہو ، یعنی شرط ایسی بیع
 ہوگی جو ثواب کھلے نہ ہو ، اور وہ بیع جو حصول ثواب

ذلك مما أيسر الله البيع بحيث يخرج
عن جميع ما رخص له الشرع فيه، وما هو
إلا البيع بمستهلك لا لا يضر
المقربة فأن الأكل وهو الانتفاع
به عاجلا قد ذهب بنفس
التبدل، والأدخار لكونه
لا نفع به ببقائه، والانتجار
لعدم التقرب فخرج عن الوجوه
الثلاثة الشرعية، فكان هو الملحوظ
بالنهي المورث للخبث الموجب
للتصدق، أما إذا باع ما ينتفع به
باقيا فالأكل وانفق، والانتجار
ان لم يكن فالأدخار باق، لأن
البديل ينوب المبدل وهو مبقى
فيكون مدخرا، وكذا إذا باع
بمستهلك لقربة فالأكل والأدخار
وانت ذهب فالانتجار حاصل،
وهو أفضل الوجوه فلا معنى
للمنع وبه ظهرات ما نحن
فيه أدل بالجوان من البيع
بباق وهو مصرح بجوانه
في عامة كتب المنهـب

کی غرض سے ہو، یا وہ بیع جو باقی رہنے والی چیز
سے ہو، یا اس کو کھالیا جائے، تو یہ افعال
لا اضحیة له (اس کی قربانی نہیں) کی شرط
نہیں بن سکتے، کیونکہ ان کی تو خود حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے اجازت دی ہے، تو لامحالہ شرط میں وہی
بیع مراد ہوگی جس کی کھال یا گوشت کو قبول کیلئے
بیچا گیا ہو کیونکہ ایسی بیع سے قربانی کے مقاصد
ثلثہ فوت ہو گئے، بیع کی صورت میں کھانا مفتی
ہو گیا، یہ ظاہر ہے، ادخار (جمع کرنا) اس لئے
مفتی ہو گیا کہ ایسی چیز کے عوض جیسا جو باقی رہنے
والی نہیں ہے کہ کھالیا جائے کہ بدل اصل کا قائم مقام
چاہے اور طلب ثواب اس لئے مفتی ہو گیا کہ یہ بیع
محل اور کسب زر کی غرض سے ہوئی تو ایسی
بیع کی صورت میں قربانی کے تینوں مقاصد مفتی
ہو گئے، اور یہ کہنا بالکل چسپاں ہو گیا کہ لا اضحیة
له (اس کی قربانی نہیں)، اور اس بیع سے جو
قیمت حاصل ہوئی خبیث ہوئی، تو اس کا صدقہ
واجب ہو گیا۔

برخلاف اس کے اگر باقی رہنے والی چیز
سے بدلا تو اکل و ثواب تو ضرور مفتی ہوا، مگر
ادخار باقی رہا کہ بدل کا باقی رہنا اصل کا باقی
رہنا ہے، اور ہلاک ہونی والی چیز سے بچنے کا ثواب

ادخار اور انتجار دونوں نصب کے ساتھ ہیں لفظ
اکل پر عطف کی بنا پر، ۱۲ منہ قدس سرہ (ت)

عن الادخار والانتجار كلاهما بالنصب عطفًا
على الأكل ۱۲ منہ قدس سرہ۔

فانكار جود انرا هذا انت ليس تحكما
فما اذا ، وانت اذا تأملت ما القيت
عليك ، واخذت الفطاسة
بيديك وجعلت الانصاف بين
عينيك ، لعلمت انت هذا هو الغنى
المفهوم من الحديث ، في اول النظر
كما بعد الطلب الحديث فانت
المتبادر من سياق اللفظ انت يكون
بيعه للانتفاع لانه عقد موضوع

بیجا، تو اکل و ادخار تو ضرور منتفی ہوا، لیکن طلب
کرا اب اب بھی باقی ہے، اور یہ ان وجوہ ثلاثہ
میں سب سے افضل ہے، تو یہ جائز ہوگا،
اور اس کا انکار زیادتی اور زبردستی ہے۔
ایک آسان بات | یہ لمبی اور دقیق بحث ترک
بھی کر دی جائے تو یہ ایک آسان اور سامنے کی
بات ہے کہ لفظ بیع انتفاع کے لئے بیچے پر دلالت
کرتا ہے، مگر نہ عقد بیع کی وضع ہی اسی غرض کیلئے
ہوتی ہے اور یہی لفظ بیع بالدرہم کی طرف بھی اشارہ

عہ ثم بعد زمان لما من المولى سبحانه
وتعالى على بشراء غايية البيان للعلامه
الاتقاني رأيتہ نقل عن الامام شيخ
الاسلام بكل ما يشير الى هذا الذي
نحوته اليه حيث قال قال شيخ الاسلام
خواهر زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ فی مبسوطہ
اما اللحم فالجواب فيه كالجواب في الجلد
ان باعه بالدرهم تصدق بثلثه وان
باعه بشئ آخر ينتفع به جاز كما في
الجلد وانما ذكر محمد رحمه الله تعالى
البيع في حق الجلد دون اللحم لانه
بني الامر على ما هو الغالب وفي الغالب
كما ينتفع بعين الجلد يباع بشئ آخر
ينتفع به وفي اللحم في الغالب ينتفع به

پھر کچھ زمانہ بعد جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا
علامہ تعالیٰ کی غایۃ البیان خرید لینے کا، اسے
میں نے دیکھا کہ انھوں نے امام شیخ الاسلام سے
وہ سب کچھ نقل فرمایا جس کی طرف میں نے اشارہ
کیا ہے جہاں انھوں نے فرمایا کہ شیخ الاسلام
خواہر زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مبسوط میں
فرمایا کہ گوشت کی بابت حکم وہی ہے جو کھال
میں ہے کہ اگر درہم سے فروخت کیا تو صدق
کھرے اور اگر کسی اور نفع اور چیز سے فروخت کیا
جائز ہے جیسا کہ کھال کا حکم ہے امام محمد رحمہ اللہ
تعالیٰ نے صرف کھال کے متعلق بیع کا حکم
اس لئے ذکر کیا کہ انھوں نے غالب رواج
پر بنا کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ غالب طور پر
جلد کو نفع یا نفع مند کے بدلے فروخت
(باقی بر صفحہ آئندہ)

لذلك وهو الغالب فيه وان يكون بالدراهم
لانه البيع المطلق ، والبيع من كل
وجه اما المقايضة فتستوي فيه جهتا
البيع والشراء ، اما سائر المستهلكات
ففي حكم الدراهم ، ولذا جعلها في
الهداية هي الاصل ، وقال في سائرهن
اعتبارا بالبيع بالدراهم هذا كله
ما خطر بالبال مستعجلا ، فانعم الفكر
منصفا متأملا ، فان وجدت شيئا يعرف
ويتكر فلم آل جهدا في اتباع الغرض من
اثمة النظر ، والله الهادي الى عوالي
الفكر.

کرتا ہے کیونکہ بیع کی یہی صورت اصلی ہے ، اور
اشیاء سے تبادلہ میں تو بدلیں پر قیمت اور بیع
دونوں ہونے کا احتمال رہتا ہے ، اس لئے صرف
لفظ باع بھی اس مقصد پر دلالت کرنے کے لئے
کافی ہے کہ حدیث میں لفظ "من باع" سے
خاص وہی بیع مراد ہے جو دراہم کے بدلے اپنی ذات
کے قبول و انتفاع کے لئے ہو۔

شُبہہ اور اس کا جواب اگر کوئی یہ کہے کہ دیگر
مستملکات سے بھی تو بقول آپ کے بچنا منع ہے
تو آپ کے اس قول کا کیا وزن رہا کہ لفظ بیع پر
غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بیع ممنوع بالدرہم
ہے ، اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر مستملکات کے

ساتھ بیع کی ممانعت دراہم کے ہی بلکہ جو کر ہے ، اصل نہیں ، اسی لئے تو ہدایہ میں دراہم کو ہی اصل
قرار دیا ، اور بقیہ کو اسی پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا ، اعتبارا بالبيع بالدراهم (دراہم کی بیع پر قیاس
کرتے ہوئے)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولا يباع اء فاشا سائر ان المراد بالبيع هو
الذى يقصد به الانتفاع ۱۲ منه قدس
سورة -

کیا جاتا ہے اور گوشت میں غالب یہی ہے کہ
اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور اسے
فروخت نہیں کیا جاتا اء ، تو اس سے اشارہ ہوا
کہ بیع سے مراد صرف وہ ہے جس سے انتفاع
مقصود ہو ۱۲ منہ قدس سورة - (ت)

(تنبیہ نفیس) اقول وبهذا التحقيق استبان والحمد لله معني قول الهداية "لو باع الجلد او اللحم بالدرهم او بما لا ينتفع به الا بعد استهلاكه تصدق بشمته اه فانما معناه اذا باع بها لاجل الانتفاع لا البيع بها مطلقاً فانه رحمه الله تعالى ونفعنا ببركاته في الاول والاخرى قال او لا يعمل منه آلة تستعمل في البيت، ثم قال ولا باس بان يشتري به ما ينتفع به في البيت بعينه مع بقائه، ثم قال ولا يشتري به ما لا ينتفع به الا بعد استهلاكه وقال في تعليقه "اعتباراً بالبيع بالدرهم"، قال "والمعنى فيه انه تصرف على قصد التمول"، ثم قال "ولو باع الجلد او اللحم الم فكلما به كله، بدوة وشناوة وفتح وانهماؤه في البيع لاجل الانتفاء لا مطلق البيع، كيف ولو اريد المطلق لما ساغ قوله "ولا يشتري به ما لا ينتفع به الم فان شراء ذلك لاجل التصديق جائز قطعاً ولما صح قوله "اعتباراً بالبيع بالدرهم" لمثل ما بينا

عبارت ہدایہ کی تشریح | ہماری اس تحقیق سے ہدایہ کے مندرجہ ذیل قول کے معنی بالکل واضح ہو گئے اور مانعین کا استدلال باطل ہو گیا، اگر جلد یا گوشت کو درہم یا ایسی چیزوں کے ساتھ بیچا جائے ختم کئے بغیر ان سے انتفاع نہ ہو سکے تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔

(۱) اس عبارت میں بیچنے سے مراد اپنی ذات کیلئے بیچنا ہے، مطلقاً نہیں۔ کیونکہ پہلے انھوں نے یہ فرمایا کہ کھال سے گھر کی کام کے لئے کوئی سامان بنایا جاسکتا ہے، پھر کہا ایسی چیز جسے باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

اس سے بدل بھی سکتے ہیں، تو ان دو مسئلوں میں انتفاع ذاتی ہی کا بیان ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ایسی چیز سے نہ بدلیں جو استعمال میں خرچ ہو جائے، تو یہ منافعت بھی ذاتی استعمال والی ہی بیع کے لئے ہوتی، اب اسی بیع کی منافعت کی علت بیان فرماتے ہیں کہ یہ بیع بالدرہم کی طرح ہے، تو ظاہر ہے کہ اس سے وہی بیع بالدرہم فراد ہوگی، جو ممنوع ہے، صدقہ کے لئے تو درہم کے عوض بیچنا جائز ہی ہے، اور آگے اسی کے لئے فرماتے ہیں کہ اس میں معنی تمول ہے، تو یہ کلام ابتداء سے انتہاء تک پیکار پکار کر اعلان کر رہا ہے کہ اس بیع سے مراد ذاتی انتفاع

وبطل تعليله بانه تصرف على قصد التمول
فليس كل بيع بالدرهم مما يصدق
عليه ذلك كما اسلفنا تحقيقه ، وقوله
ولو باع الجلد الخ انما هو متفرع على
تلك المسئلة فلا يراد به الا ما امر به
بها ، كانه لما بيت عدم جواز نه نشاء
السوال ف قيل اذا لم يحجز هذا ،
فان فعله فاعل فماذا عليه ، فاجاب
بانه يتصدق بثمانه ثم نشاء
السوال بان قولكم هذا يفيد صحة
البيع فكيف بحدیث من باع جلد
اضحية فلا اضحية له فاجاب بانه الحديث
انما يفيد كراهة البيع اما البيع جائز
لقيام الملك والقدره على التسليم
وهذا دليل اخر على ان
ليس الكلام في مطلق البيع بالدرهم ،
فان البيع بها لا جلد التصديق
لا يكره اصلا ، وقد بيت هذا ،
فابن من هنا مولا العلامه العلافي
صاحب الدرر حديث قال بعد قول
المولى العزى رحمهما الله تعالى
”تصدق بثمانه او مفاده صحة البيع

والى بيع ہے مطلقاً بیع نہیں ، ورنہ حضرت کی ان
عبارتوں کے کوئی معنی نہ ہوں گے ”ما لا ینتفع به“
(جس سے نفع نہ اٹھایا جاسکے) اعتباراً بالبیع
بالدرہم (بیع بالدرہم پر قیاس کرتے ہوئے)
وانہ تصرف على قصد التمول (یہ قول کی نیت
سے تصرف ہوا) اور اسی کے بعد صاحب ہدایہ
کی یہ متنازع عبارت ”اگر جلد اور گوشت الخ“
تراس کا مطلب مطلقاً بیع کیسے ہو سکتا ہے ،
یہ تو اسی حکم پر متفرع ہے ، گویا کسی نے پوچھا کہ
ذاتی اغراض کے لئے جو بیع بالدرہم ہوتی وہ تو
ناجائز ہوتی ، اب جو پیسہ اس سے حاصل ہوا کیا
کیا جائے ، تو فرمایا وہ مال خبیث ہے ، اس کا
صدق واجب ہے ، اس پر گویا پھر کسی نے پوچھا
آپ کے حکم ”یہ مال خبیث ہے“ سے یہ پتہ چلتا ہے
کہ بیع ہوتی مگر فاسد ، اور حدیث مبارک ”لا اضحیۃ
لہ“ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیع باطل ہے ،
تو اس کا جواب اس طرح دیا کہ ”الحديث
انما يفيد الكراهة“ یعنی حدیث سے بھی بطلان
ثابت نہیں ، مراد کراہت ہی ہے ، کیونکہ بیع کے
تو تمام ارکان پائے گئے کہ جانور بیچنے والے کی
ملک ہے ، اور مشتری کو اس پر قبضہ بھی دلا سکتا ہے
اس لئے بیع تو ہو گئی ، مگر قصد تمول اور عدم بقائے بدل

مع الكراهة، وعن الشافى باطل لانه
 كالوقف مجتبى^۱ اھ فقد نص ابن
 قول التنوير كالهداية تصدق
 بشمنه "يفيد كراهة البیع،
 فمحال ان يكون الكلام في
 مطلق البیع بالدرهم، بل في
 الصورة المكروهة فقط، وهي
 السامرة في قوله "لا يشتري به
 ما لا ينتفع به" الى قوله
 "تصرف على قصد التمول"
 ومن اوضح الدلائل على ذلك
 ايضا تعليل الكافي شرح الوافي
 لمسئلة الهداية بقوله لا معنى
 التمول سقط عن الاضحية فاذا
 تمولها بالبیع انتقلت القرية
 الى بدله فوجب التصديق اھ
 فافادات الكلام انها هوفى
 صورة التمول لا غير، ولذا
 جاء تصوير المسئلة في التبيين
 ومجسم الانهر وغيرهما من
 الاسفار الغريبة لفظاً "لا يبيعه

کی وجہ سے فاسد ہوتی۔

(۲) صاحب ہدایہ کا یہ بعد والا کلام بھی اس بات
 کی دلیل ہے کہ بیع سے ان کی مراد مطلقاً بیع
 بالدرہم نہیں کیونکہ تصدق کے لئے بیچنے کو تو
 سبھی جائز کہتے ہیں۔

(۳) یہیں سے "صاحب درمختار" کے کلام کا
 مطلب بھی واضح ہو گیا جو انھوں نے امام غزالی کے
 قول "تصدق بشمنه" کی شرح میں فرمایا ہے
 اس کا مفاد یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے مگر فاسد ہے
 البتہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس جانور
 کو وقف کی طرح قرار دے کر اس کی بیع کو باطل
 قرار دیا، اس عبارت میں اس بات کی صراحت
 ہے کہ تنویر کا لفظ تصدق بشمنه بالکل ہدایہ کی
 عبارت تصدق بشمنه کی طرح ہے، جو مطلب اس کا
 ہے وہی تنویر کی عبارت کا بھی ہے، تو ایسی صورت
 میں محال ہے کہ اس عبارت میں مطلق بیع مراد ہو
 بلکہ وہی مراد ہے جو ہدایہ کی عبارت "لا يشتري به
 ما لا ينتفع به" سے تصرف على قصد التمول تک میں
 مراد ہے۔

(۴) اس مقصد پر اس سے بھی واضح دلالت
 کافی شرح وافی کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

”قربانی کے جانور سے قول کے معنی کی نفی ہو جاتی ہے
لیکن جب اس کو قول یعنی کسب زر کی نیت سے بچا
تو اب پھر وہ اضحیہ سے نکل گیا، تو اب اس کا صدقہ
واجب ہوگا۔“

تواضعوں نے تو نص ہی کر دیا کہ مانعت کا حکم
مکسورت قول میں ہے، کسی اور صورت میں نہیں
اس لئے اس مسئلہ کو تبیین، مجمع الانہر وغیرہ
کتبوں میں اس طرح بیان کیا گیا: ”کمال کو اپنے اور بال بچوں کے لئے درہم کے عوض زیچے“۔ تواضعوں نے

بالدراہم علی نفسه وغیالہ، فقد اوضحوا
المرام، وانما احوال اوہام، وھذا دلیل
رابع علی ما ذکرنا، والخامس الموت واللہ
یحب الموت، ان نقل کلامہ التبیین فی
المندیۃ ثم قال ”وھکذا فی الہدایۃ و
الکافی“ اللہ فقد افصح بملا فیہ ان معنی
کلامہ التبیین والہدایۃ واحد۔

کتبوں میں اس طرح بیان کیا گیا: ”کمال کو اپنے اور بال بچوں کے لئے درہم کے عوض زیچے“۔ تواضعوں نے

(۵) اور پانچویں صاحب ہندیہ کا یہ کلام کہ انھوں نے صاحب تبیین کے کلام کو نقل کر کے فرمایا: یہ
مسئلہ اسی طرح ہدایہ اور کافی وغیرہ میں ہے: ”تواضعوں نے تو منہ بھر کر گواہی دے دی کہ صاحب تبیین اور
ہدایہ کی عبارت کا مطلب ایک ہی ہے۔“

اس کے بعد غایۃ البیان علامہ آقائی رحمۃ اللہ علیہ
دیکھنے کی توفیق ہوئی تواضعوں نے تو اوایام کے
سارے بادلوں کا صفایا کر دیا فرماتے ہیں: ہدایہ
کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کمال کی بیع کے بعد
اس سے قربت اور ثواب ہونے کے معنی ختم ہو گئے
حالانکہ قربانی سے کسب زر اور حصول زر کی غرض قاطب
ہے، تو جب درہم سے اس کو بیچ دیا، تو اس کا
صدقہ واجب ہے تاکہ قربانی یا اس کے معاوضہ سے
کسی قسم کا قول نہ لازم آئے۔“

تواضعوں نے بھی کافی کی طرح یہ بات صاف

ثم بعد زمان لما من بخلہ وتعالی علی
عبدة الضعیف بشراء غایۃ البیان
شرح الہدایۃ للعلامة الاتقانی رحمہ اللہ
تعالی، سآیتہ شرح کلامہ بما لم یبق للوہم
مجالا، حیث قال یرید بہ ان القربۃ
فانت عن الجلد بما باعہ ولكن الاضحیۃ
ساقط عنها معنی التمول، فلما باعہ
بالدراہم وجب علیہ التصدق بہا،
لئلا یلزم التمول بشئ من الاضحیۃ او بدلتھا
فافادہ الکافی وغیرہ ان المنہی عنہ

۸/۶	المطبعة الکبری الامیریۃ بولاق مصر	کتاب الاضحیۃ	لہ تبیین الحقائق
۳۰۱/۵	نورانی کتب خانہ پشاور	الباب السادس	۲۰ فتاویٰ ہندیہ
			۳۰ غایۃ البیان

کر دی کہ ہدایہ کی عبارت سے مراد وہ بیع ہے جو
تمول کے لئے ہو، اور اتنا اضافہ فرمایا کہ یہ وہ بیع
ہے جس سے کارِ ثواب اور قربت ہونے کی نفی ہوتی
ہے، تو وہ بیع اس حکمِ مانعت سے خارج ہو گئی
جو اسے قربت اور حصولِ ثواب کے لئے ہو،
والحمد لله رب العالمین۔

تو یہ امر واضح ہو گیا کہ ممنوع مطلقاً بالدرہم نہیں
بلکہ جب تمول کے طور پر ہو یہی بدل میں خبرث پیدا
کرتی ہے، اور اسی سے تصدق واجب ہوتا ہے
اور کارِ ثواب کے لئے بیچنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ
وہ کارِ ثواب کے قسم کا ہو۔

www.alaham.org

هو البیع للتمول، وزاد ان المراد بیع
یفتوت القربة فخرج البیع لاقامة قربة،
فانه لا یفتوها بل یحصلها وهو تقرب
لا تمول، فالتضح الصواب وزال الادیاب،
والحمد لله فی کل باب، هکذا ینبغی التحقیق
اذا ساعد التوفیق، ومن المولی تعالیٰ هداية
الطریق، فقد بان بنعمة الله جل وعلا ان
البیع بالدرہم لیس مایمنع مطلقاً بل
اذا کان علی جهة التمول، وهو الذی یورث
الخبث وعلیه یتفرع وجوب التصدق، اما
اذا باع بهما لیس صرفها فی القربات، فذلک سائتہ
وسائر وجوه القرب، مطلقاً حیث لا یحجر
فی شیئ منها۔

میں نے بار بار یہی فتویٰ دیا اور اس موضوع
پر ایک مفصل فتویٰ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کو لکھا،
اور دوسرا مجل فتویٰ آئندہ سال ذی القعدہ میں
دیا، یہ دونوں فتاویٰ میرے فتاویٰ کی چوتھی جلد
میں ہیں تو میرے ان فتوؤں کی مخالفت ہندیوں کی
ایک جماعت نے شروع کی جن میں اکثر وہابیہ ہیں
ان کا خیال ہے کہ کمال کی بیع درہم کے ساتھ
مطلقاً ناجائز ہے، خواہ نیت کارِ ثواب کی ہی
کیوں نہ ہو، ان کا صدقہ کرنا واجب ہے، وہ بھی
اسی طرح کہ فقیر کو اُس کا مالک بنا دے، کسی بھی

بذلک افیت غیر مروتہ وکتبت
فیہ فتویٰ مفصلة اذ سئلت عنه لتسع
بقین من ذی الحجۃ عام الف وثلثمائتہ
وخمیس من ہجرتہ من لولاء ماصلیت
الخمیس، ولالاح قمر ولا بزغت شمس،
ولا اقبل غد ولا ادبر امس علیہ وعلی آلہ
الغرا کرام افضل صلاۃ واکمل سلام
واخری مجملۃ اذ ورد علی السوال
لسبع خلون من ذی القعدۃ المحرام
فی العام الذی یلی ذلک العام

وهما مثبتتان في المجلد الرابع من
مجموعة فتاوى المباركة ان شاء الله تعالى
الملقبة بالعتايا النبوية في الفتاوى الرضوية
جعلها الله نافعة للمسلمين ومقبولة لدى
العالمين وحجة لعبد يوم الدين آمين
الله الحق آمين۔

فقد ذلك نازعني شرذمة من
المهندسين أكثرهم من الوهابية الباطنيين
نراعي ان البيع بالدرهم مطلقا
ولوللقرابات يوجب التصديق حتى لا يجوز
له الصرف الى مانوي من القرب بل لا يخرج
عن العهدة الا بالاداء الى الفقير على وجه
التملك ، واحتج الاصح منهم على ذلك
بعبارتي الهداية والدرهم المذكورتين
وقد بينا ما هو السوابق اثبتنا عرض التحقيق
على انه لا مساس بشئ منهما بعموم القوم ،
فاغتنانا ذلك عن الاسترسال مرة اخرى
في رد كلا منهم ، فانه لشدة وهن نفسه
غنى عن ايها غير ، فلئن سألتهم
هل الكلام ههنا اعني في قول الهداية
والدرهم بيع يكره لافي غيره ، ليقولن
نعم ، ولئن سألتهم هل البيع بالدرهم
يكره مطلقا ليقولن لا ، قل فاني تذهبون ،
ولئن قالوا في الاول لا ، لقضت عليهم
حجتهم نفسها بالخطأ والجهالة ولئن

دوسرے مصرف میں خواہ مصرف خیر ہی کیوں نہ ہو، صرف
کرنا جائز نہیں، اصناف نے تو ہدایہ اور درمختار کی
انہیں دونوں عبارتوں سے سند پکڑی، جس کا مفصل
بیان اوپر گزرا، تو ہم کو دوبارہ ان کی تردید کرنی ضروری
نہ تھی، ان کی بات حد درجہ کمزور ہے، کیونکہ ان سے
خود پوچھ دیکھو کہ ہدایہ اور درمختار کی عبارت بیع
مکروہ کے بیان میں ہے، یا کسی دوسری کے
بیان کے لئے، تو کہیں گے بیع مکروہ کے لئے، پھر
ان سے پوچھو کیا کمال کی بیع مطلقاً مکروہ ہے تو
کہیں گے نہیں، تو اب فیصلہ کے لئے کیا باقی
رہ گیا ہے، اور اگر اول میں پلٹ کر جواب دیں
کہ صرف بیع مکروہ کی نہیں، تو ان کا نفس انہیں
خود جھٹلائے گا اور ثانی میں اگر کہیں ہاں، تو
ان کی بات خود انہیں کو جھٹلا رہی ہے کیونکہ وہ بھی
صدقہ کے لئے بیع جائز قرار دیتے ہیں، اور اگر
وہ اس بیع کے جواز کا انکار کرینگے تو ہم ان کو
نقص علمائے شکر کے اسودہ کر دیں گے۔

قالوا في الاخر نعم ، فكلما همهم انفسهم
مناد عليهم بالبهت والبطالة ، فانهم
ايضا معترفون بجواز البيع للتصدق من
دون كراهة ، وان لم يعترفوا لائتناهم بجواز
من نصوص العلماء لا قبل لهم بها ، فناهيك
بهذا القدر مشبعاً لهم ، ومزبلاً لوهم
عرض بالهم -

ولكني اقول لا غرو من نفر
قاصرين لا يكادون يميزون بين الغيث
والسمين والرخيص والتمين والمدين والضمين
والشمال واليمين ، انما العجب من بئيرهم
الكنو هي الهدى طول الاموال واعظم التوابع
على ما فيه من انواع الابتداع حيث
نماذ غباوة على الاتباع واخذ يتشبهت
بها قد منا عبارتي العيني والكافي " انه تصرف
على قصد التمول " الى قوله " فيكون خبيثا

اگر یہ جوڑے لوگ غلطی میں پڑ گئے جو موٹے اور چوڑے
سستے اور ہلکے ، اور دائیں بائیں کی تمیز نہیں
رکھتے تو تعجب کی بات نہ تھی ، تعجب تو اس بات پر ہے
کہ ان سب کے امام گنگوہی صاحب جو طول باع
و حتم الاموال سے بڑے ہیں انہوں نے کیسے یہ
فتویٰ دیا اور اپنی سابقہ گریہوں میں اضافہ کر لیا
اور سند میں عینی اور کافی کی عبارت پیش کی ہدایہ
اور درر کی عبارت ہی ان کے خلاف حجت تھیں ،
لیکن عینی اور کافی کی عبارتیں تو ان کا صریح رد ہیں

عن هذا كان اذا ذاك ثم ترقى به الحال
في الغواية والضلال فوقع في الكفر
السيراح واختار الامتداد الصراح
واستحب العسى على الهدى نعوذ
بالله من الهلاك والردى ولا حول و
لا قوة الا بالله العلي العزيز الحكيم ۱۲ قدس
سرة العزيز -

یہ حکم تو اس کے حال سابق پر تھا پھر
گمراہی اور ضلالت میں اس کا حال مزید
ترقی کر گیا پس وہ کفر ظاہر میں جا پڑا اور ارتداد
صریح کو اختیار کیا اور ہدایت پر گمراہی کو اختیار
کیا ، ہم ہلاکت و بربادی سے اللہ تعالیٰ
کی پناہ مانگتے ہیں لا حول ولا قوة الا باللہ
العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سرہ (ت)

فیجب التصدق ، وانه اذا اتولها بالبيع
الى قوله فوجب التصديق فان كلامي الهداية
والدار وان كانا حجتين عليهما لا لهم ،
لكن لا كهاتين الناصتين بان الكلام في
صورة التمول لا مطلق التبدل ، لا سيما
كلام الامام البدر العبد المكين كالبدار ، ان
وجوب التصديق لاجل الخبث والخبث
لكراهة البيع ، وكراهة البيع لقصد التمول ،
فيا ليت شعري فيظن الرجل ان كل تبدل
بمستهلك تمول ، فيحكم بكراهة البيع به
مطلقا ، ام لا يدري الفرق بين التمول
والتقرب حتى يحتج على القصد بالصدق ، ام
يجيز قياس البايين على البايين ، والخبث
على الطيب ، والمنهى عنه على المأذون
فيه ، بل المندوب اليه فهل هذا الاشئ
نكرا ، وامر امرا ، واما ما كان قال الله
الضراعة لمنع البراعة ومنع الشاعة -
قال الرجل هذا الله تعالى الى امسك
اهل السنة والجماعت ، اذ باع المضحي
جلد اضحيته بالدرهم سواء كان البيع
للتمول او بنية التصديق تعين تصديق ثمنه
كالنذر وهذا هو معنى الصدقة الواجبة -

خصوصا ہدایہ کی عبارت میں تو تصدق کی علت خبث
کو قرار دیا ہے ، اور خبث کی وجہ بیع کی کراہت کو
تسلیم کیا ہے ، اور بیع کی کراہت کی وجہ تمول کو
گردانا ہے تو کیا یہ آدمی درہم کے ساتھ بیع کو مطلقاً
بیع متمول گردانتا ہے ، یا تمول اور تقرب کا فرق
نہیں جانتا ، یا ضد کو ضد پر قیاس کرنے کو اور خبیث
کو طیب پر تمول کرنے کو اور بیع منہی عنہ کو بیع جائز
پر اعتبار کرنے کو قرار دیتا ہے ، یہ کتنی شیعہ بات ہے
ہم خدا کی اس سے پناہ مانگ رہے ہیں ۔

رواۃ اللہ تعالیٰ اس شخص کو مذہب اہلسنت وجماعت
کی ہدایت دے ۔ اس نے کہا ، قربانی کو نیولے نے
جب جلد درہم کے عوض بیع دی تو تمول (کسب زر)
کی نیت ہو یا صدقہ کی اس کے دام کا صدقہ کرنا واجب
ہو گیا جیسے نذر کا صدقہ واجب ہوتا ہے ، غلٹی نے
شرح ہدایہ میں کہا یہ قصد تمول پر تصرف ہے اور قربانی
کسب زر کا ذریعہ ہونے سے نکل چکی ہے ، تو جب
بیع کر کسب زر کیا تو صدقہ واجب ہو گیا کیونکہ یہ ثمن فعل
محذور سے حاصل کیا تو جمعیت ہو گا اور صدقہ واجب
اور کافی میں ہے جب اس سے تمول کیا تو قربت کمال
سے منتقل ہو کر اس کے بدل میں چلی گئی تو اس کا تصدق
واجب ہوا ۔

اس کلام سے ہم اذکم یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ شخص

قال العيني في شرح الهداية انه تصرف على قصد التمول وقد خرج عن جهة التمول فاذا تموله بالبيع وجب التصديق لان هذا الثمن حصل بفعل مكروه ، فيكون خبيثا فيجب التصديق له وفي الكافي فاذا تمولها بالبيع انتقلت القرابة الى بدله فوجب التصديق له معربا ملخصا -

أقول دلنا كلامك هذا على تعيين الشق الاخير من الشقوق الثلاثة المارة في قولي ، ياليت شعري فعرفنا بترديدك ان ليس كل بيع يستهلك تمولا عندك وانك ما تزيين التمول وغيرة وان بدلت المقرب بالتصدق جهلا منك ، او تجهلا مع علمك ان الكلام في سائر القرب دون التصديق فاذا لا اجب لاحتجاجك بكلام الكافي مثلا ، الا كمن ادعى ان من صلى اثم سواء كانت صلاته لله تعالى او لغيره واحتج عليه بقوله عز وجل قل يا ايها الكفرون لا اعبد ما تعبدون ۝ فان كان الدليل يقيم بان يكون اخص من المدعا مع عدم الماس بالجزء المقصود منه المتنازع فيه اصلا ، فلا رى احدا من

تمول اور تقرب کے فرق سے آگاہ ہے تبھی تو بیع تمول اور بیع تقرب کو دو علیحدہ قسمیں قرار دے کر حرف تردید سے بیان کیا کہ تمول ہو یا صدقہ کی نیت دام کا صدقہ واجب ہو گیا ، ہاں لا علمی یا تجاہل عارفانہ میں لفظ تقرب کو تصدیق سے بدل دیا کیونکہ کلام تو مطلقا کارِ ثواب کے لئے بیع کرنے سے متعلق ہے ۔

الغرض اس کلام سے اب سمجھ میں آیا کہ بات وہی آخری ہے کہ اس شخص کے نزدیک ضد مخالف سے استدلال جائز ہے ، اس استدلال کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے کوئی کہ عبادت خدا کی ہو یا غیر خدا کی ، اس کے لئے دلیل اس کی قرآن عظیم میں ہے ، لا اعبد ما تعبدون ، تو ما تعبدون دیکھا ہی نہیں لا اعبد سے استدلال کر دیا ۔ اسی طرح صاحب کافی کی عبارت تو بیع تمول کی ممانعت میں ہے اور آپ نے مطلقا بیع حرام کر دی ۔

یہ تو عبارت کافی سے استدلال کا حال ہے اور عینی سے استدلال کی حالت تو اور ردی ہے اس لئے کہ وہ نص کرتے ہیں کہ اس کا تصدیق اس لئے واجب ہے کہ مال خبیث ہے ، اور یہ صورت بیع تمول کے سوا اور کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتی ، تو آپ کا اس عبارت سے استدلال اندھیری رات

کے ثبوت میں سورج پیش کرنے کے مرادف ہے اس شخص نے کہا، کافی اور عینی کی عبارتوں سے ثابت ہو گیا کہ اس کمال کے دام کا تصدق واجب ہے تو وہ صدقہ واجبہ ہوا، اور اس کا مصروف وہی ہے جو صدقہ واجبہ کا مصروف ہے، تو اسے مسجد یا مدارس کی تعمیر میں صرف نہیں کر سکتے۔

المبطلین یعجز عن إقامة الف دليل على دعواه هذا احتجنا بك بالكافي، اما التمسك بكلام البدر في ذلك الله من ان تنقص درجة عن يدعي وجود الليل البهيم مسبل الاستار يحتج عليه بوجود الشمس في وسط السماء بانزغة تبهر الابصار۔

قال فقد اتضح بهاتين الروايتين وجوب التصدق واذا وجب الصدقة فكونها صدقة واجبة واضمح بنفسه فلا يكون مصرفها الا مصروف الصدقة الواجبة كما هو ظاهر، فلا يجوز صرفه الى بناء المساجد والمدارس من اعم بالتقريب۔

نکو ہی صاحب کی اس عبارت کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان عبارتوں سے یہ ثابت ہے کہ بیع تمول کے لئے ہے توقیت کا صدقہ واجب ہے، تو یہ بات صحیح ہے، بیشک اگر بقصد تمول بیع کی تو اس کا تصدق واجب ہے، اور اگر یہ مطلب ہے کہ کسی کارِ ثواب کی غرض سے بیع کیا تب بھی تصدق واجب ہے، تو یہ بات ان دونوں عبارتوں سے ہرگز ثابت نہیں، اور اگر آپ کے استدلال کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ عبارت میں صدقہ واجبہ کا لفظ مل جائے، چاہے جس باب اور جس بیان میں ہو، تو

اقول ان امر يدوجب عند القول فنعلم، ولا كلام فيه، او عند التقرب فلا ولا كرامة، واتي اثر له في دليلك فما ثبت بهما لا نزاع فيه، وما فيه النزاع لم يثبت بهما، وان كان بحسبك ان يقع في كلام الاصحاب لفظ وجوب التصدق في اى مسألة من اى باب، فنعم لدعواك في كل كتاب، دلائل عدد الرهل والتراب۔

قال والصدقة مطلقا لا بد فيها من التملك سواء كان اياحة او تمليكاً تاماً۔

یہ دونوں جارتیں ہی کیا ہیں، ہر کتاب میں آپ کے مدعا پر سیکڑوں دلیلیں موجود ہیں۔ اس شخص نے کہا: ”صدقہ میں مطلقاً تمہیک واجب ہے عام ازیں کہ بطور اباحت ہو یا بطور تمہیک۔“

آدمی کو صحیح بات نہ معلوم ہو تو جتنا ہو چکا اسی پر صبر کرنا چاہئے اور دراز لسانی سے پرہیز کرنا چاہئے، لیکن آپ نے تو ایک نئے سر کا اضافہ کرنا چاہا، اور شرط خج کے کھیل میں گدھے کو بھی داخل کر دیا کیونکہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ اباحت بھی تمہیک کا ایک حصہ ہے، اور صدقہ واجبہ تمہیکہ میں بھی اباحت سے کام چل جائے گا، افسوس کہ اس کلام میں قسم کو قسم اور صدقہ کو صدقہ بنا دیا گیا حالانکہ ان دونوں کی تقریری کے بیان میں کتابوں کے ابواب بھرے پڑے ہیں، ابواب طلاق و لقطہ و ہبہ و کراہیہ وغیرہ میں کثرت سے یہ مسائل ہیں۔

ہم لوگ فقہ میں جو اول کتاب امام صدر الشریعہ کی شرح وقایہ پڑھتے ہیں اس میں کتاب الطہارۃ کی ابتداء میں ہی لکھتے ہیں: ”پانی پر قدرت اباحت سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اور تمہیک سے بھی، تو پانی والے نے ایک پوری جماعت سے اگر یہ کہ تم میں سے جو چاہے اس پانی سے وضو کرے، اور پانی کسی ایک کے وضو بھر تھا، پوری جماعت کا وضو ٹوٹ جائے گا، کیونکہ علی سبیل الانفراد سب کی قدرت ثابت ہو گئی۔ اور اگر یوں کہا کہ اس پانی پر تم سب قبضہ کرو، تو تیمم نہ ٹوٹے گا، کیونکہ اتنا پانی جب

اقول یا لیتک اذ لم تہتد الی الصواب قنعت، بما من قبل صنعت، ونفسک عن الاسترسال منعت، ولكنک اجبت ان تزيد فی الطہور نفعة، وفي الشط رنج بغلة، فابتدعت القول بان الاباحة من التمليك وانما تجزئ فی الصدقة مطلقا، فجعلت القسم قسما، والصدق ندما مع ان کلمات العلماء فی مسائل الاباحة غیر قليلة ولا خفية، بل دواصرة فی کثیر من ابواب الفقه، منها الطہارات ومنها الزکوة، ومنها الطلاق ومنها اللقطة، ومنها الهبة، ومنها الکراہیة وغير ذلك وهذا شرح الوقایة للامام الجلیل صدر الشریعة اول کتاب ندرسہ فی الفقه، افاد فیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فی اول کتاب الطہارات من باب التیمم، ان القدرة ثبت بطریق الاباحة، وبطریق التمليك، فان قال صاحب الماء لجماعة من التیممین ليتوضأ بهذا الماء ايكو شاء، والسماء یكفی لكل واحد منفر داینتقض تیمم كل واحد لبثوت القدسة لكل واحد علی الانفراد، اما اذا قال هذا الماء بكم وتبضوا لا ینتقض تیممهم لانه یبقی

على ملك الواهب ولم تثبت الاباحة لانه
لما بطل الهبة بطل ما في ضمنها او مخلصاً
ونحوه في الفساح والبحر وغيرهما ، فانظر
كيف باينوا بينهما ، واسمع كيف اثبتوا الاباحة
لكل منفردا بقول المالك ليتوضأ به ايك
شاء ، مع بداهة انه لا تثبت بقوله هذا
شي من الملك لكل منهم ، ولا لاحد
اذا كنت درست هذا ، او مادريت ولا وعيت
ضابطا لهم ، انت ما شرع بلفظ اطعام
وطعام جاز فيه الاباحة ، وما شرع بلفظ ايتاء
واداء شرط فيه التملك ، كما في ظهار الدار
ومجموع الانهر وغيرهما فافتح العين
هل هما قسيما ، او احدهما قسم من الاخر
كما في فلاں کو دے دو " تو اس میں تمیک ضروری ہے " تو آنکھ بھول کر دیکھ لیجے کہ تمیک و اباحت
اپس میں قیم ہیں ، یا ایک دوسرے کی قسم !

أو ما علمت ان مولی الغزی لما قال
ان الزکوۃ تمیک ان قال المحقق العلافی
خرج الاباحة ، او ما عرفت ان الامام صدر
الشریعة لما قال فی النقایۃ تصرف تملیکاً

لے شرح الوقایۃ کتاب النظارة

لے در مختار باب كفارة النظار

مجمع الانهر شرح ملتی الدار باب النظار

لے در مختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوۃ

لے " " " " " " " " " " " "

لے مختصر الوقایۃ فی مسائل الهدایۃ

سب کو بہہ کیا اور تقسیم نہیں کیا تو بہہ مشاع ہونے کی
وجہ سے وہ بہہ باطل ہوا ، اور کسی کے لئے اباحت
ثابت نہ ہوئی ۔ ایسا ہی فتح اور بحر وغیرہ میں ہے ۔

تملیک اور اباحت کا فرق اس عبارت سے
رویز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پہلی صورت میں
اباحت ثابت فرماتے ہیں ، اور دوسری صورت جو
بہہ اور تملیک کی طرح ہے ، اس میں اباحت کی
نفی فرماتے ہیں ، اگر دونوں ایک ہی ہوتے تو ایک
کا ثبوت اور دوسرے کی نفی کیسے ہوتی ۔ در اور بحر لاکھ

میں ایک مشہور و معروف ضابطہ مصرع ہے : " مالک
نے کسی کھانے کی چیز کی اجازت لفظ " اطعام " سے
دی کہ اسے فلاں کو کھلا دو " تو اس میں اباحت

کافی ہے ، اور جس کو " ایتاء " سے اجازت دے
دی کہ اسے فلاں کو دے دو " تو اس میں تمیک ضروری ہے " تو آنکھ بھول کر دیکھ لیجے کہ تملیک و اباحت

امام غزالی نے فرمایا : " الزکوۃ تملیک ، زکوۃ

میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے "۔

علامہ علائی فرماتے ہیں : " اس سے اباحت

نکل گئی "۔

۱۰۵-۶ / ۱ المکتبۃ الرشیدیۃ دہلی

۲۵۱ / ۱ مطبع مجتہائی دہلی

۴۵۳ / ۱ دار احیاء التراث العربی بیروت

۱۲۹ / ۱ مطبع مجتہائی دہلی

۱۲۹ / ۱ " " " " " " " " " " " "

۳۷ / ۱ فصل منہ الزکوۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

امام صدر الشریعہ نے فرمایا: (الزکوٰۃ) تصروف
تعلیم کا "زکوٰۃ تعلیم کے طور پر خرچ کی جائے گی۔
علامہ شمس محمد نے اس کی شرح میں کہا: اس میں اشارہ
ہے کہ زکوٰۃ کو کسی کے لئے مباح کیا تو زکوٰۃ ادا
نہ ہوگی۔

اسی طرح علماء کی تصریح ہے: جو چیز مباح کی
وہ مباح کرنے والے کی ملک پر باقی رہتی ہے جس
کے لئے مباح کی گئی، اس کو اس کی ملک سے کوئی
تعلق نہیں رہتا۔ "وہ تو یہاں تک فرماتے
ہیں، "مالک کی ملک زائل ہو جائے تب بھی ضروری
نہیں کہ مباح لڑکی ملک ثابت ہو۔"

مولانا زین الدین ابن نجیم شریح کفر میں فرماتے ہیں:
"مباح کو مباح نہ مباح کرنے والے کی ملک پر بھی ختم
کرتا ہے، یا وہ چیز خود اپنی ہی ملک پر ہوتی ہے کوئی
اس کا مالک نہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ جب مباح لئے اس چیز کو
کھالیا، تو وہ چیز مباح کرنے والے کی ملک سے نکل
گئی، اور کسی کی ملک میں داخل نہیں ہوئی، حتیٰ کہ
کھانے والے کی ملک بھی نہ ہوئی، یہی مطلب ہے
ملک نفسہ کا۔ ان کا یہ قول ملا علی قاری نے اپنی کتاب
حاشیہ در میں پیش کیا، الغرض اگر میں نقل کرنے پر

یعنی الزکاۃ قال العلامة الشمس محمد
فی شرحہا فیہ اشارۃ الی انہ
لا یجوز صرف الاباحۃ الخ او ما عقلت
ما افاد العلامة البحر فی لفظۃ
البحر، اذ قال انما فسرنا الانتفاع
بالملك لانه لیس المراد الانتفاع
بدونہ کالاباحۃ، او ما وقفت علی
قول السید الشامی فی لفظۃ رد المحتار ان
التصرف علی وجه التملک احتراز عن
التصرف بطریق الاباحۃ علی ملک
صاحبہا أم أو ما سعت العلماء یصروحون فی
غیر ما موضع ان الباح لہ انما تصرف علی
ملك المبیح لاحظ لہ من الملك اطلاق حتی
لم یشترک لہ ملک بعد زوال ملک المالك، ایضا
قال المولیٰ زین بن نجیم فی شرح الکفران قیل
الباح لیس تملک الباح لہ، علی ملک المبیح او
علی ملک نفسہ، قلت اذا صار ما کول انزال ملک
المبیح عنہ، ولم یدخل فی ملک احدہم وأثرہ
عنہ العلامة الطحطاوی فی حاشیۃ الدر
ہذا وکم اسرولک یا هذا من نقول
الاسفسار، وھی فی الوفور والاستکثار،

لے جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ معرفت الزکوٰۃ

لے بحر الرائق کتاب اللقطۃ

لے رد المحتار

لے بحر الرائق باب النہار فصل فی الکفارة

۳۳۸/۲ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران

۱۵۸/۵ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۳۲۰-۲۱/۲ دار احیاء التراث العربی بیروت

۱۰۹/۲ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

آؤں تو ایسی نصوص کا انبار لگ جائے جو تھیک اور اباحت کے فرق کا اعلان کر رہی ہیں۔

اسی طرح اس کلام کا یہ ٹکڑا کہ "صدقات میں مطلقاً اباحت کافی ہے" یہ بھی غلط ہے، اتنی بات تو ہر آدمی جانتا ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر میں اباحت کافی نہیں، ہم نے اس بات کے جزئیات تو یہاں درج سے پہلے نقل کئے، اور درج کا ضابطہ بھی نقل کیا، آئندہ مزید تفصیل کریں گے، تو اس قائل کا کلام از تاپا محذوش ہی محذوش ہے اور ہمیں مزید رد کی ضرورت نہیں۔

ما تنقی دون نقله الاخبار، وانا بحمد الله
عالم بمناط غلطك، وشار لغلطك، وسأنتبهك
عليه عن قريب، انشاء المولى القريب
المجيب، واما ما اوهمت من اجزاء الاباحة
في الصدقات مطلقاً، فواضح البطلان عند
كل من يعلم ان الزكاة وصدقة الفطر
لا تغني فيهما الاباحة على المذهب الصحيح
المفتى به، وقد قدمنا نصوص النقاية و
التنوير والدر، وضابط الدر وشرح
ملتقى الابحر، وسيأتي زيادة على ذلك
ان اراد المالك۔

وبالجملة كلام الرجل ككلامه محذوش

من قرنه الى قدمه محذوش، ونحن اذا
قد اوضحنا المرام وانما حنا الاوهام بآية توفيق
سربنا الملك العلام، فلا علينا ان نعصر الكلام
ونطوى بساط الرد والابرام والحمد لله
ولي الانعام۔

ایک سنی عالم کا فتویٰ | البتہ علمائے اہلسنت
میں سے بھی ایک بزرگ نے اسی قسم کی بات کہی
جو گلوہی صاحب سے مذکور ہوئی، ان کا کلام یہ ہے
"قربانی کی کھال کا حکم یہ ہے کہ اس کا صدقہ کیا جائے
یا اس کو خود استعمال کیا جائے، یا اس کو باقی رہنے
والی چیز سے بدلا جائے، جیسے چھلنی، مصلیٰ وغیرہ، تو
تصدق کی صورت میں تمیک ضروری ہے۔"
انہوں نے اپنے کلام سے نہ تو یہ ثابت کیا کہ

تذیل جلیل، قال العبد الذلیل بعد
هذا، وقفت على تحرير اخذ لبعض جملة
العصر من افاضل اهل السنة جنح فيه نحو
ما جنح اولئك القوم، وحكم ان لا بد ههنا
من التملك متمسكاً بما تعريبه حكم جلود
الاضاحی ان يتصدق بها او ينتفع بها بنفسه
او يستبدلها بما ينتفع به مع بقاء
كالغريال والسجادة وغيرهما، ففي صورة

التصدق لا بد من التملك أم حاصله معرباً۔

اقول هذا الكلام كما تری لایکادیرجع
الی طائل، فان لزوم التملك فی التصدق
لا یستلزم لزومه فی التقرب، ولم یلک کلامکم
بایجاب التصدق ههنا عینا ونفی سائر وجوه
التقرب شیئاً فالصغری المطوية هی التي
کانت محتاجة الی البیان وقد طویتموها و
طویتم انکشف عن بیانها فاختل البرهات
وکانت ملحوظ هذا الفاضل ومحط نظره ان
حکوم الجلود اذا کان دأوا بین الاشياء الثلاثة
وبالبيع بالدرهم ولولاجل التقرب انتفی
الاخیران، فتعین الاول وهو لا بد فیہ
من التملك هذا غایة ما یقال فی تقریر
کلامه، علی حسب صرامه هتاه ربہ بلطفه
واکرامه فالان۔

اقول وبالله التوفیق وبه الوصول
الی ذری التحقیق، اعلوان للصدقة اطلاقاً
الاول اخصها تملك المال من الفقیر مجاناً،
فخرج الامارة والاباحة وهدیة الغنی
والاقراض وهذا هو السر ادفی الزکوة
وصدقة الفطر، وبهذا المعنی یقال ان
الصدقة لا بد فیها من التملك وینشد
لا تدخل فیها الکفارات لجواز الاباحة

کمال کا صدقہ صدقہ واجبہ ہے، نہ یہ ثابت کیا کہ
اس کو کسی اور کا ثواب میں نہیں بگایا جاسکتا،
حالانکہ یہی دلیل کا صغریٰ ہے، بے اس کے ثبوت
کے دلیل ہی بیکار ہے، ان بزرگ کی غلطی کی بنا۔
یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ قربانی کی کمال صدقہ کرنے
بعینہ اس سے انتفاع حاصل کرنے یا باقی رہنے
والی چیز سے استبدال میں منحصر ہے، اور جب بعینہ
انتفاع اور استبدال با باقی کی صورت نہ پائی گئی، تو
تصدق معین ہو گیا، اور اس میں تملیک ضروری
ہے (اللہ تعالیٰ انھیں اپنے لطف سے نوازیں)
یہ ان کے کلام کی انتہائی توجیہ ہے۔

www.KitaboSunnat.com

لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ شرع میں صدقہ کا
اطلاق متعدد چیزوں پر ہوتا ہے،

(۱) تملك المال من الفقیر اس صورت
میں عاریتہ، اباحتہ، ہدیہ غنی، قرض وغیرہ سب
صدقہ سے نکل گئے، اور صدقہ فطر اور زکوة میں لفظ
صدقہ سے یہی مراد ہوتی ہے اور اسی صدقہ کے لئے
کہا جاتا ہے کہ اس میں تملیک ضروری ہے، تو
صدقہ کفارہ اگرچہ صدقہ واجبہ ہے، لیکن اس معنی

بإطلاق الانتفاع، والتصرف والاستهلاك
 الصادق به وبالإباحة وبهذا المعنى تشمل
 الكفارات فتعد من الصدقات الواجبة كما
 قال القهستاني والشامي وغيرهما في مصرف
 الزكاة "أنه هو مصرف أيضا لصدقة الفطر
 والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات
 الواجبة له وبه علمات هذين
 المعنيين لا يتعداهما الواجب من الصدقات
 والمخلط بينهما كأنه هو الذي حد ذلك
 الرجل الوهابي أن جعل الإباحة من
 التملك، وذلك أنه رأى في الفتح ما يقصر
 الصدقة على التملك ورأى في رد المحتار
 بما نقلنا أنفاً وهو يفيد أن الكفارة أيضاً
 من الصدقات، وقد نقل العبارتين
 في فتاواه فأطن أنه نظم منها شكلاً و
 استنتج منه أن الكفارة لا بد فيها من
 التملك، وكات داسيان الإباحة تسوخ
 فيها، فلم يمالك نفسه أن حكم بكون الإباحة
 قسماً من التملك لأنه اضطربت لديه
 الأقوال، وضاق عليه ميدان المجال
 ولم يدرك التقصى عن الأشكال الأبايداء
 هذا المجال، ولم يعرف المسكين فرق
 المجال، وإن تغير الأوسط يهدم الأشكال

استهلاك بھی صورتوں کو شامل ہوتا ہے جو تملیک اور
 اباحت دونوں صورتوں میں ہو سکتا ہے، صدق اس
 معنی میں کفارہ پر بولا جاتا ہے جو صدقہ واجبہ سے ہے
 اسی کو لینے کا اہل وہی ہے جو زکوٰۃ کا اہل ہے،
 چنانچہ قہستانی و شامی وغیرہ نے کہا،
 "جو فقیر مصرف زکوٰۃ ہے وہی صدقہ فطر، کفارات
 اور نذر وغیرہ کا مصرف ہے۔"

صدقہ کے یہ دونوں معنی صدقات واجبہ میں ہی
 متحقق ہونگے، شاید اسی بات نے اس کو بی آدمی
 کو یہ جرات دلائی کہ اس نے اباحت کو بھی تملیک
 میں شمار کیا کہ انھوں نے فتح القدیر میں دیکھا، صدقہ
 کے لئے تملك ضروری ہے، اور رد المحتار کی ابھی
 فعل مشہ عبارت میں دیکھا کہ کفارہ بھی صدقات
 میں سے ہے۔ یہ دونوں عبارتیں اس نے اپنے
 فتویٰ میں نقل کی ہیں اور اس سے قیاس ترتیب
 دے کے یہ نتیجہ نکالا کہ کفارہ کے لئے بھی تملك ضروری
 ہے، اور یہ جہان ہی رہے تھے کہ کفارہ میں اباحت ہے
 تو اس فیصلہ میں اپنے نفس پر قابو نہ پاسکے کہ اباحت
 بھی تملیک کا ہی ایک حصہ ہے کیونکہ اقوال انھیں
 مضطرب نظر آئے اور ان میں تطبیق دے نہ پاسکے
 تو یہ محال بات بول دی اور قیاس ترتیب دیتے ہوئے
 انھیں یہ پتہ نہ چلا کہ حد اوسط مکرر نہ ہونے سے نتیجہ
 غلط ہوتا، فتح القدیر کی عبارت "الصدقۃ

يجب فيه التملك " میں صدقہ سے مراد صدقہ خاص
بمعنی اول ہے ، اور " الکفارات تجوز فیہ
الاباحۃ " کا صدقہ ہونا بمعنی ثانی ہے ، حالانکہ
قہستانی ان کی راہ کشادہ کر چکے تھے ، وہ فرماتے ہیں
" انہ تصرف تملیکاً لیستثنیٰ منہ الکفارات "
صدقات واجبہ میں تملیک ضروری ہے لیکن کفارہ
اس سے مستثنیٰ ہے ۔

فان التی يجب فیہ التملیک ہی الصدقة بالمعنی
الاخص الوارد فیہا لفظ الیتاء او الاداء او
ما یؤدی مؤداہما ، و الکفارات لیست من
الصدقات بہذا المعنی ، فلا شکل ولا اشکال
والحمد لله المہمین السعال ، علی انہ ان
قطع النظر عن هذا التحقیق النفیس الانیس
الدقیق ، فکان السبیل ان یقال باستثناء
الکفارات من حکم وجوب التملیک کما
فعل الفاضل القہستانی حیث قال
تحت قول النقایۃ تصرف تملیکاً لیستثنیٰ
منہ اباحۃ الکفارات ^۱ او لان یرکب مثلك
هذا الحال ، وبالله العصمة عن المسؤل
الضلال هذا ما وعدناک نلتزم الی شرح
اطلاقات الصدقة ۔

(۳) صدقہ کا ایک اطلاق یہ ہے کہ تملیک اباحت
اور فقیر وغنی ، دونوں کو عام ہو ، توسط شرع
ابوداؤد میں ہے ،
" صدقہ یہ ہے کہ فقیروں کو دیا جائے (مطلب
یہ کہ صدقہ میں عموماً یہ ہوتا ہے) ورنہ صدقہ ہمارے
نزدیک مالداروں کو بھی دینا جائز ہے "۔

الثالث ورمایا یقطع النظر عن الفقر
ایضا ، فتشمل التملیک والاباحۃ للفقیر
والغنی ، قال فی التوسط شرح سنن ابی داؤد
الصدقۃ ما تصدقت بہ علی الفقراء ای غالب
انواعها کذلک فانہا علی الغنی جائزۃ
عندنا یشاب بہ بلا خلاف ^۲ و قال فی

رد المحتار عن البحار الوائق الصدقة تكون
على الاغنياء ايضا وان كانت مجازا عن
الهبة عند بعضهم وصرح في الذخيرة بان
في الصدق على الغني نوع قرينة دون قرينة
الفقيه^۱ احمد وروى احمد والطبرانی فی الکبیر
عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ
عنه ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم انک ما اطعمت ذو جک فہو لک
صدقة وما اطعمت ولدک فہو لک صدقة
وما اطعمت خادمک فہو لک صدقة ، وله
فیہ عن ابی امامۃ الباہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما اتق
الرجل فی بیتہ واهلہ وولدہ فہو لہ صدقة
الرابع رہما تطلق حیث لا تملیک و
لا اباحۃ اصلا وانما ہو تصرف مالی قصد بہ
نفع المسلمین کحفز الآبار وکروی الانہاس
وبناء السیط والجسور والمساجد و
المدارس وغیر ذلک ، وعن ہذا
تقول انہا صدقات جاریۃ ، ومن ذلک
قولہم فی الاوقاف صدقة مؤبدۃ ، وعلیہ
جاء قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

رد المحتار میں بحر الرائق سے منقول ہے: صدقة
مالداروں پر بھی ہوتا ہے کہ مجازاً ہبہ کو صدقة
کہتے ہیں ، اور ذخیرہ میں تشریح ہے کہ مالدار کا صدقة
فقیروں کے صدقة سے کم ثواب والا ہوتا ہے ۔
احمد و طبرانی نے کبیر میں مقدم ابن معدیکرب
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی : رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو بیوی کو
کھلایا تو صدقة ، جو اولاد کو کھلایا تو صدقة ، جو خادم
کو کھلایا وہ بھی صدقة ۔

طبرانی میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت ہے : آدمی اپنے گھر میں جو کچھ اہل عیال
اور خادموں پر خرچ کرتا ہے وہ سب صدقة
ہے ۔

(۴) اس اطلاق میں نہ تملیک ہے نہ اباحت ،
یہ ایک قسم کا تصرف مالی ہے جس سے مسلمانوں کو
نفع پہنچانا مقصود ہوتا ہے ، جیسے گناواں بنانا ،
نہریں تیار کرنا ، مسافر خانے اور پل بنانا ، مساجد
اور مدرسوں کی تعمیر کرنا ، اور انھیں امور خیر میں صرف
کرنے کو صدقة جاریہ کہتے ہیں ، اور اوقاف کو اسی
معنی میں صدقة مؤبدہ کہا جاتا ہے ، حدیث شریف
میں ہے : ” حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس

اذا ناء سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
فقال یا رسول اللہ امی ماتت فاتی الصدقة
افضل ، قال سقی الماء ، فحضر بئرا ، و
قال هذه لاق سعد ، کہا اخرجہ احمد
وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ
وابن حبان والمحاکم عن سعد
وابو یعلی عن ابن عباس رضی اللہ
عنه فقد سقى سقی الماء بحفر البئر
صدقة ، ومعلوم ان لا تمليك
فيه ولا اباحة ، فان من شرطها ان
يكون الماء في ملك المبيع كما لا يخفى على احد
وقد قال صدر الشريعة انهم لما لم يملكوه
لا تصح اباحتهم ثم وقد نص عليهما
ان ماء البئر غير مملوك لصاحبها ، ففي
الهداية البئر ونحوها
ما وضع للاحرار ولا يملك
المباح بدونه ، وفي فتاوى
العلامة خير الدين الرملي

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور عرض
کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری ماں کا انتقال
ہو گیا ہے تو کون سا صدقہ اسے مفید ہوگا؟ حضور نے
فرمایا ، لوگوں کو پانی سے سیراب کرنا۔ انھوں نے ایک
کنواں کھدوا دیا اور اعلان کر دیا کہ یہ سعد کی ماں
کے لئے ہے۔ (احمد وابوداؤد و نسائی، ابن ماجہ،
حاکم، ابن حبان عن ابی یعلی عن ابن عباس)

تو اس حدیث میں پانی کی سیرابی کو صدقہ قرار دینا
جس میں نہ تملیک ہے نہ اباحت ، کیونکہ اباحت
کے لئے شرط یہ ہے کہ شئی مباح ، مباح کر نیوالے
کی ملک ہو۔ صدر الشریعہ فرماتے ہیں ، جب مال
موقوف پر مالکوں کی ملک نہ رہی تو ان کی طرف سے
اباحت بھی درست نہیں۔

اس طرح علماء نے تصریح فرمائی ، کنویں کا پانی
کنویں والے کی ملک نہیں۔

ہدایہ میں ہے ، کنواں اور اس کے مثل
جو چیزیں ہیں قبضہ کر کے نہیں رکھی گئیں ، اور قبضہ کے
بغیر مباح پر ملک ثابت نہیں ہوتی۔

۱/ ۲۳۶ سنن ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فضل سقی الماء آفتاب عالم پریس لاہور
سنن النسائی کتاب الوصایا فضل الصدقة عن المیت نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۲
مسند احمد بن حنبل حدیث سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۸۵ و ۶/ ۴
موارد النہای الی زوائد ابن حبان کتاب الزکوۃ باب سقی الماء المطبعة السلفية مکہ المکرمة ص ۲۱۸

۴

۳۵ البدایۃ کتاب ایاء الموت فصل فی المیاء

۴/ ۲۸۳ مطبع یوسفی لکھنؤ

فی الولوالجیة وکثیر من الکتب لوزح ماء
بئرہا جل بغير اذنه حتی یبست لاشئ
علیہ لان صاحب البئر غیر مالک للماء
فاذن لا یكون الا تقربا الی اللہ تعالیٰ بتصرف
فی مالہ لنفع المسلمین وعلیٰ هذا سائر
القرب العالیة سواء فی دخولها فی معنی
الصدقة -

وقد قال الامام فقیہ النفس
قاضی خان فی الجانیة قریة فیہا بئرمطویة
بالأجر خربت القریة ، وانقرض اهلہا
وبقرب هذه القریة قریة أخرى
فیہا حوض یحتاج الی الأجر فاما ادوا
ان ینقلوا الأجر من القریة التی
خربت و یجعلوها فی هذا الحوض ،
قالوا ان عرف باقی تلك البئر لا یجوز صرف
الأجر الا باذنه ، لانه عادالی منکک وان
لم یعرف البانی قالوا الطریق فی ذلک ان

عہ قلت اعی لا ضمان لان الاتلاف صادف
مباحا غیر مملوک لاحد اما التعزیر
فینبغی ان یكون فیما یظہر اذ افعله لمحض
الاضرار ولا ضرر ولا ضرار فی الاسلام ۱۲ منہ -

فتاویٰ خیریہ ، ولوالجید وغیرہ بہت سی کتابوں
میں ہے ، اگر کسی نے کسی کے کنویں کا پانی نکال کر
کنواں خشک کر دیا تو نیکانے والے پر کوئی تاوان
نہیں اس لئے کہ کنویں والا پانی کا مالک نہیں
تو یہ صدقہ اسی معنی پر ہے کہ اللہ کے تقرب
کے لئے اپنا مال مسلمانوں کے نفع کے خاطر صرف
کر رہا ہے ، اور اس معنی میں سائے مالی کا ذخیرہ صدقہ
قرار دیئے جانے میں برابر ہیں۔

اطلاق نمبر ۴۴ کی دوسری مثال | امام فقیہ النفس
قاضی خان فرماتے ہیں : ایک دیہات میں بختہ
کنواں تھا ، دیہات اُجر دگیا اور کنواں معطل ہو گیا
اس کے قریب دوسرے دیہات والوں نے
اس کنویں میں اپنے حوض میں لگائی چاہیں ، اگر
کنویں کا بنانے والا موجود ہے تو اس سے اجازت
لینی ضروری ہے کیونکہ تعطل کے بعد اینٹیں بانی کی
بلک ہو گئیں ، اور بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ اینٹیں فقیر
کو دے دی جائیں اور وہ اپنی طرف سے اس کو
حوض میں لگا دے ، کیونکہ وہ اینٹیں اب لفظ

میں کتابوں یعنی ضمان نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی مباح چیز
کا اتلاف ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہے لیکن تعزیر
مناسب ہوگی جبکہ وہ بطور ضرر رسانی ایسا کرنے کیونکہ
اسلام میں ضرر و ضرار کی ممانعت ہے ۱۲ منہ (ت)

یتصدق بها علی فقیر، ثم ذلك الفقير
ینفقها فی ذلك الحوض، لانه بمنزلة
اللقطة والاولی ان ینفق القاضی
فی هذا الحوض، ولا حاجة فیہ الی
التصدق علی الفقیر، وفي الهندیة
عن الوقفات الحسامیة، فیما اذا المر یعلم
الغارس، الحكم فی ذلك الی القاضی ان
سأی بیعها وصرف ثمنها الی عمارة المقبرة
فله ذلك، وقال فی الخانیة قبله ثبت
الاشجار بعد اتخاذ الارض مقبرة فان
علم غارسها كانت للغارس وان لم
یعلم فالرأی للقاضی ان سأل ینفع
الاشجار وتصرف ثمنها الی عمارة المقبرة
فله ذلك، وتكون فی الحكم كانها وقف لله
قلت ای فی انه مال مصروف الی
وجه البر، اما الوقف فلا لما فی الخانیة
ایضا، سأل جعل ارضه مقبرة، وفيها
اشجار عظيمة، قال الفقیه ابو جعفر
رحمه الله تعالى وقف
الاشجار لا یصح، فتكون
الاشجار للواقف، ولو رثته

دگری پڑی چیز کے حکم میں ہے، اور زیادہ بہتر
یہ ہے کہ قاضی اپنے حکم سے اسے حوض میں لگا دے
اس طرح فقیر کو دینے والے جیلہ سے نجات
مل جائے گی۔“

عالمگیری اور واقفات حسامیہ میں ہے :
”اگر قبرستان میں درخت لگانے والے کا پتہ
نہ چلے تو قاضی اپنی صوابدید پر اس کو بیچ کر اس کی
قیمت قبرستان کی درستگی میں صرف کر سکتا ہے۔“
خانیہ میں ہے : زمین کو مقبرہ بنانے کے بعد
اس میں درخت اگ آئے، لگانے والا معلوم ہو
تو وہ اسی کا ہے، اور لگانے والا معلوم نہ ہو
تو رائے قاضی کی ہے اسے بیچ کر قبرستان کی
مرمت میں لگا سکتا ہے، اس کا حکم وقف ہی
کا ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ جس طرح وقف ایک ایسا
مال ہے جو مصارف خیر کے لئے ہی ہے اسی طرح
اس درخت کا مصروف بھی مصارف خیر ہیں، وہ
درخت خود وقف نہیں ہو جاتا۔ اسی خانیہ میں ہے :
”ایک آدمی نے زمین مقبرہ کے لئے وقف کی جس میں
درخت ہیں، فقیہ ابو جعفر کا فرمان ہے کہ چونکہ
درختوں کا وقف صحیح نہیں اس لئے وہ درخت واقف

۱۰ فتاویٰ قاضیان	کتاب الوقف	فصل فی الوقف المنقول الخ	نو کشور لکھنؤ ۲۵/۴
۱۱ فتاویٰ ہندیہ	”	الباب الثانی عشر	نورانی کتب خانہ پشاور ۴۴/۲
۱۲ فتاویٰ قاضیان	”	فصل فی الاشجار	نو کشور لکھنؤ ۲۲/۴

ہوں گے، اور وہ مر گیا تو اس کے ورثہ کی ملک
ہوں گے، اور یہی حکم اس کمرہ کا ہے جو ایسے ار
میں ہو جس کو مقبرہ کر دیا گیا ہو۔

رحمانیہ کا جزیرہ ہے، مسجد ویران ہو گئی جس
کے بانی کا پتہ نہیں، اور لوگوں نے دوسری مسجد
بنالی، پھر ان کی رائے ہوئی کہ ویران مسجد بیچ کر
اُس کی قیمت اس مسجد میں لگائیں، تو امام محمد کے
نزدیک اس میں حرج نہیں، اور قاضی ابویوسف
کے نزدیک وہ ایسا نہیں کر سکتے کہ وہ ہمیشہ مسجد
ہی رہے گی۔

سراجیہ میں ہے، پرانی مسجد جس کے بانی کا
پتہ نہیں، وہ ویران ہو گئی، لوگوں نے اسی کے قریب
دوسری مسجد بنالی، تو قاضی ابویوسف کے نزدیک
ویران مسجد کا سامان بیچ کر آباد مسجد میں نہیں
لگا سکتے، اور امام محمد کو اس میں اختلاف ہے،
اور فتویٰ قاضی ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول
پر ہے۔

اس کی وجہ وہی ہے کہ مسجد جب ڈھے کر
ناقابل استعمال ہو گئی اور لوگ مستغنی ہو گئے، تو
امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا مالک مانی
ہو جاتا ہے، اور جب بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ لقطہ ہو گئی،
اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو دوسری مسجد کی تعمیر

ان مات، وكذا البناء في الدار التي جعلها
مقبرة لله ومعلوم ان حكم اللقطة هو
التصدق الا ان يكون الملتقط فقيرا، فيصرفه
الى نفسه، وهم ايضا من باب التصديق من
المالك، بل قال في الدر المختار عن العمدة
وجد لقطه وعرفها ولم ير ربها فانتفع بها
لفقره ثم اليسر يجب عليه، ان يتصدق
بمثله اه وان كان المختار خلافه كما في
البحر والنهر، عن الولوالجية والهندية
وجامع الرموز عن الظهيرية قلت لان
الصدقة اصاب محلها فلا تتغير بتغير
حاله كفقير اخذ الزكاة ثم اليسر عليه
مردها، وبالجمله الحكم ههنا التصديق
وقد نصوا على جواز صرفه الى عمارة
المقبرة واصلاح الحوض، ومن ذلك
ما في الرحمانية عن الاجناس، اذا خرب
مسجد ولا يعرف بانيه وبني اهل المسجد
مسجد اخر ثم اجمعوا على بيعه، واستعانوا
بشئنه في ثمن المسجد الاخر فلا بأس به،
وهذا قول محمد خلافا لابن يوسف فانه
مسجد ابد عند الله اه، وفي السراجيه مسجد
عتيق لا يعرف بانيه خربت فاتخذ بجانبه

سہ فتاویٰ قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی المعابر والرباطات نوکسور لکھنؤ ۴/۷۲۵
سہ در مختار کتاب اللقطہ مطبع مجتہدانی دہلی ۱/۳۶۶

کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں حکم دیا،

"الامرجل يتصدق على هذا فيصلى معه" کوئی اس پر صدقہ کرے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے۔

یوں ہی سرکار نے فرمایا، "آدمی کے ہر جڑ پر ہر دن صدقہ ہے، تو دو آدمیوں کے بیچ انصاف کرنا صدقہ ہے، آدمی کو جانور پر سوار ہونے میں مدد دینا صدقہ ہے، اس کا بوجھ لادینا صدقہ ہے، اچھی بات صدقہ ہے، راستہ بتانا صدقہ ہے، راستے کوڑا کرکٹ دور کر دینا صدقہ ہے۔ (احمد و مسلم و بخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

یہ سن یہ حدیث شریف، آدمی کے جسم میں تکلیف ہو تو جو اس پر صدقہ کرے اور مدد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرے گا اور گناہ معاف کرے گا (احمد و ترمذی، ابن ماجہ عن ابی الدرداء احمد و ضیاء نحوہ عن عبادہ ترمذی، ابن ماجہ عن ابی الدرداء احمد و ضیاء نحوہ عن عبادہ باسناد صحیح)

الجماعة المروى في جامع الترمذی وغيره الامرجل يتصدق على هذا فيصلى معه وقوله صلى الله تعالى عليه وسلم كل سلامي من الناس عليه صدقة كل يوم تطلع فيه الشمس تعدل بين الاثنين صدقة بينهما، وتعين الرجل على دابته فتحمل عليها، او ترفع له عليها متاعه صدقة والكلمة الطيبة صدقة و دل الطريق صدقة و تعييط الاذى عن الطريق صدقة، اخرجه احمد والشيخان عن ابی هريرة رضي الله تعالى عنه، وقوله صلى الله تعالى عليه وسلم ما من رجل مسلم يصاب بشئ في جسده في يصدق به الا رفعه الله به درجة و حط عنه خطيئته، اخرجه احمد والترمذی وابن ماجة عن ابی الدرداء واحمد والضياء نحوه عن عبادة رضي الله تعالى عنهما باسناد صحيح۔

- | | |
|-------|---|
| ۸۵/۱ | سنن ابوداؤد کتاب الصلوة باب فی الجمع فی المسجد مرتین آفتاب عالم پریس لاہور |
| ۳۰/۱ | جامع الترمذی ابواب الصلوة باب ما جاء فی الجماعة فی مسجد الخاء امین کمپنی دہلی |
| ۴۱۹/۱ | صحیح البخاری کتاب الجہاد باب من اخذ بالرباک و فحوه قیدی کتب خانہ کراچی |
| ۳۲۵/۱ | صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف قیدی کتب خانہ کراچی |
| ۳۱۶/۲ | مسند احمد بن حنبل مسند ابوہریرہ المکتب الاسلامی بیروت |
| ۱۶۷/۱ | جامع الترمذی ابواب الدیات باب ما جاء فی العفو امین کمپنی دہلی |
| ص ۱۹۷ | سنن ابن ماجہ باب العفو فی القصاص ایچ ایم سعید کمپنی کراچی |
| ۴۲۸/۶ | مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الدرداء المکتب الاسلامی بیروت |

(۶) اور کبھی لفظ صدقہ بھی توسع کی انتہا ہو جاتی ہے کہ ہر فعل محمود و مشروع کو صدقہ کہتے ہیں کہ دوسرے پر صدقہ نہ ہو تو اپنے پر تو ہے۔

”مسجد کی طرف بڑھنے والا قدم صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، ہر نیکی صدقہ ہے (احمد و بخاری و آخرون عن جابر، احمد، مسلم، ابوداؤد عن حذیفہ، طبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، بہقی عن ابن عباس) عبد بن حمید اور حاکم نے اس حدیث میں اتنا اضافہ کیا اور حاکم نے اس کی تصحیح کی، ”مسلمان نے اپنے اور اہل و عیال کے لئے جو خرچ کیا اس پر صدقہ کا ثواب ملے گا۔“

نمبر ۳ میں ذکر کی ہوئی حدیث مقدم ابن معیذ رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کا تتمہ یہ ہے: ”اور جو خود کھایا صدقہ ہے۔“

ان اطلاقات کو خوب ذہن نشین کر لیں، شائد کہ اس تحریر کے علاوہ اس تفصیل سے نہ ملے۔ اب صرف یہ فیصلہ رہ جاتا ہے کہ قربانی کے

السادس قد يستقصى في التوسع فيقطع النظر عن الغير ايضا و يطلق على كل فعل حسن محمود في الشرع فانه ان لم يكن تصدقا على غيره، فتصدق على نفسه، ومن ذلك قوله صلى الله تعالى عليهما وسلم في حديث ابى هريرة المار كل خطوة تخطوها الى الصلوة صدقة، وجاء في حديث كل تكبيرة صدقة. وقد قال صلى الله تعالى عليه وسلم كل معروف صدقة اخرجه البخاري و آخرون عن جابر، و احمد و مسلم و ابوداؤد عن حذيفة و الطبراني في الكبير عن ابن مسعود، و البهقي في الشعب عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهم، نراه عبد بن حميد و الحاکم و صححه في حديث جابر هذا و ما انفق المسلم من نفقة على نفسه و اهله كتب له بها صدقة، و تتمه حديث المقدم المقدم

۴۱۹ و ۴۰۴/۱	قدیمی کتب خانہ کراچی	کتاب الجہاد	صحیح البخاری
۲۲۵/۱	” ” ”	کتاب الزکوٰۃ	صحیح مسلم
۲۲۳/۱ و ۲۵۰/۱	” ” ”	کتاب صلوة المسافرین	”
۸۹۰/۲	” ” ”	کتاب الادب	صحیح البخاری
۳۲۲/۱	” ” ”	”	صحیح مسلم
۳۲۰/۲	” ” ”	”	سنن ابوداؤد
۲۳۲ و ۱۱۰/۱	المعجم الکبیر حدیث، ۱۰۴۱۲ و ۱۰۴۱۳	کتاب البیوع	مسند احمد بن حنبل ۳۹۷/۵
۵۰/۲	دار الفکر بیروت	کتاب البیوع	لہ فیہ المستدرک للحاکم

ذکرہ، وما اطعمت نفسك فهو لك صدقة،
اتقن هذا فلعنك لا تجد بياض تلك
الاطلاقات الا في هذه الوریقات والله سبحانه
واهب العطیات۔

ثم ان المراد بالتصدق في قولهم
في الاضاحی يتصدق بالثلث وقولهم
يندب ان لا ينقص الصدقة عن الثلث
ليس هو المعنى الاخص الاول، كيف و
قد اجمعوا على اباحة الاباحة في القربان
فلا يمكن تعيين الاخص المنحصر في
التملك، ويتضح ذلك في قول مجمع الانهر
وغیره الجهات ثلث الاكل والادخار و
التصدق في ائین الاطعام العام الغیر
المخصوص بالتملك المنصوص علیه في
قوله عزّ مجده و اطعموا القانع والمعتز
وقد استدل في الهدایة بالایة على قول
البدایة لیستحب ان لا ينقص الصدقة عن
الثلث، قائلان الجهات ثلث الاكل و
الادخار لهما رینا والاطعام لقوله تعالیٰ و
اطعموا القانع والمعتز وانقسم علیها ثلاثة

سلسلہ میں جس صدقہ کا ذکر آیا ہے وہ ان اطلاقات
میں سے کس اطلاق کے تحت آیا ہے، تو یہ طے ہے
کہ نبراول مراد نہیں، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ
قربانی کے گوشت کو بطور اباحت کھلا سکتے ہیں تو اسی
معنی پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا جس میں تملیک ضروری
ہے، اور یہ بات مجمع الانہر وغیرہ کے قول کے
ملانے سے صاف ظاہر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ
صاحب مجمع فرماتے ہیں، "قربانی کے مصرف کی تین
حیثیت ہے، کھانا، جمع کرنا، صدقہ کرنا۔"

حالانکہ قرآن شریف میں کھلانے کا صریح ذکر ہے
تو ظاہر ہے کہ یہ کھلانا جس میں اباحت کافی ہوتی ہے
صاحب مجمع نے لفظ صدقہ کہہ کر اس کو بھی مراد
لیا ہے۔

اسی طرح صاحب بدایہ نے صاحب بدایہ کے
اس قول کی دلیل دی، "صدقہ ثلث سے کم نہ ہونا
چاہئے۔"

صاحب بدایہ کہتے ہیں، "اس لئے کہ جتیس تین ہیں،
کھانا، جمع کرنا، یہ تو حدیث سے ثابت ہے، اور
کھلانا، یہ قرآن سے ثابت ہے کہ محتاج کو کھلاؤ،
تو تینوں کے لئے ایک ایک ثلث رکھا گیا۔"

اب اگر صاحب ہدایہ کے قول "صدقہ ثلث سے کم نہ ہو" میں لفظ صدقہ سے مراد وہ نہیں جس میں تملیک ضروری ہو، اور جب گوشت میں یہ ثابت ہو چکا تو حسب قول ہدایہ "کھال بھی مستربانی ہی کا جز ہے" کھال کا بھی یہی حکم ہوگا کہ اس میں بھی تملیک ضروری نہ ہوگی۔ مسجد میں پانی نکالتے کے لئے اس کا ڈول بن سکتا ہے، القصد ان لوگوں کا ہدایہ اور کافی وغیرہ سے استدلال ساقط ہے۔

فلو كان المراد بالصدقۃ هو المعنى الاخص لما انطبق الدليل على المدعى كما لا يخفى، واذ قد علمت ان الصدقة لها اطلاق وان لزوم التملك انما هو فى المعنى الاول وانه غير مراد ههنا، وجب ان لا يكون مراد ايضا قولهم يتصدق بجلدها فان التصديق ههنا هو عين التصديق فى قولهم يتصدق بالثلث، يرشدك اليه تعليل الهداية بقوله لانه كجزء منها فثبت ان ليس تصديق الجلد مما يقتصر على التملك حتى لو صنع منه دلو، ووقفه على بئر مسجد ليستسقى به المتبوضون ^{عنه} قطعاً سقوط الاحتجاج برأى ما۔

اب ایک رہ گیا، قربانی میں اگر صدقہ بمعنی اول مراد نہیں، تو بقیہ معانی میں سے کون سے معنی مراد ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے، ہمیں تو تملیک والے صدقہ کی نفی سے کام تھا، جب یہ مراد نہیں تو صدقہ اور جس معنی میں مراد لیا جائے ہمارا مقصد حاصل ہے، مگر تبرعاً ہم وہ بھی بتا دیتے ہیں۔

بقی انہ اذ ليس المراد الاول فاعت البواقى مراد وانما البيئۃ على من يدعى، نعم ان سألنا المتبرع، فنقول حديث نبی شة الخیر الہدای سرضی اللہ تعالیٰ عنہ یهدینا الی مطلق الاتجار الحاصل بسائر وجوه القرب، فلیکن المراد هو المعنى الرابع، وهو الغالب فى الصدقات النافلة،

یعنی مفتی بہ قول پر کہ منقول چیز کا وقف جائز ہے جب متعارف ہو اور بیشک مسلمانوں میں قبول اور رسی وغیرہ مساجد کے کنوؤں کے لئے مروج ہے ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

عہ اعلیٰ مفتی بہ من جواز وقف المنقول حیث تعارف وقد تعارف المسلمون وقف الدلو والرشا علی ابار المساجد ۱۱ منہ قدس سرہ العزیز۔

على ان قد بينا ان معنى المنع
ليس ترك التصديق بالماوربه
فانه غير الما موربه ههنا ما اُسا
بل المعنى قصد التمول المنهى عنه
في كل ما تقرب به الى المولى
سبحنه وتعالى ، وهو لا يتحقق
في شئ من القرب ، فلا يضرنا
عند التحقيق اسراة شئ من المعاني
اصلا ، كما لا يخفى على من رزق العقل
السليم والفهم المستقيم ، والله سبحانه بكل
شئ عليم ، هذا وجه في الجواب ، عن احتجاج
هذا الفاضل السطاب

اقول ثانيا مبناه عن حصر المسائر
في الالوجه الثلاثة ، ولا دليل يدل على الحصر
وعدم الذكر ليس ذكر العدم ، وهذا
الامام القدوري مقتضيا في مختصره على
شيثين التصديق وعمل آلة حيث قال
ويتصدق بجلودها او يعمل منه آلة
تستعمل في البيت اھ فترك التبدل بما يبقى
ايضا ، فيظن كلامه هذا معارضا لكلام من
ثلت ، وهذا المحقق الحلبي قال في ملتقاء
وهو من متون المذهب المعتمدة كما
نص عليه العلامة الشامي ، يا كل من

حديث حضرت نبی صہ ہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
میں ایتجار (کارِ ثواب) کا لفظ آیا ہے جو تمام کارِ خیر
کو عام ہے ، تو چوتھے معنی جو عام طور سے صدقات
نفلیہ مراد ہوتے ہیں وہی مراد لینا صحیح ہوگا۔

علاوہ ازیں ہمارا کہنا ہے کہ قربانی میں قصد
تصدق کی ممانعت ہے ، نہیں قصد قبول کی ممانعت
ہے ، تو جس قسم کے صدقہ کی نیت کرے قصد قبول نہیں
پایا جائے گا اور صدقہ جائز ہوگا ، اس لئے صدقہ
کی جو قسم بھی مراد لے لو ہمیں کوئی ضرر نہ ہوگا۔

مزید توضیح | جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ اس
عالم اہلسنت کی غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے
سمجھا کہ صرف قربانی کی صرف تین جہتیں ہیں حالانکہ
اس پر کوئی دلیل نہیں ، اگر کسی مصنف نے صرف
تین ہی ذکر کیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ زاد نہیں
کہ عدم ذکر ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں ، امام
قدوری نے تو اپنی مختصر میں دو ہی جہت کا ذکر کیا :
” کھال کا صدقہ کر دیا جائے یا گھریلو استعمال کے لئے
کوئی چیز بنالی جائے ۔ تو انھوں نے باقی رہنے والی
چیز سے استبدال والی شق چھوڑ دی ، تو کیا ان کے
کلام کو تین شق ذکر کرنے والوں کے کلام کے معارض
سمجھا جائے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا : قربانی
کا گوشت کھائے اور مالدار اور فقیر جس کو چاہے
کھلائے ، اور صدقہ تہائی حصہ سے کم نہ کرے ۔“

توانہوں نے بھی تبدیل بالباقی والی شق چھوڑ دی حالانکہ مذہب صحیح پر یہ جائز ہے، اور ظہیر میں تو گوشت کو ماکولات جیسے غلہ اور مغزیات کے ساتھ بدلنے کی بھی اجازت دی، اور جلد کو کتاب اور چمڑے کی تبدیلی کے ساتھ، اس کا اٹا نہیں، تو ایک یہ صورت بھی متروک ہو گئی، تو قربانی میں جن جن امور کی اجازت ہے سب کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے، اور جب حصہ احاطہ نہیں تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب دو قسمیں متحقق نہ ہوں تو تیسری متعین ہے۔

اسی طرح مالدار کو ہدیہ کرنا جائز اور فقیر کو عاریۃ دینا ناجائز ہے، یہ دونوں صورتیں بھی تو ان تینوں میں شامل تھیں، کیا صدقہ کی نیت سے دراہم کے بدلے بیع جائز نہیں حالانکہ بیع کرنا صدقہ کرنا نہیں ہے، تو جب اس کا رِثاب کے لئے بیع جائز نہ ہو تو دوسرے کا رِثاب کیلئے کیوں جائز نہ ہوگی۔

المختصر کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے کارِ ثواب کے لئے بیع منع ہو، اور اس کا تصدق بطور تملیک

لحم اضحیتہ ویطعم من شاء من غنی و فقیر، و ندب ان لا ینقص الصدقة عن الثلث ^۱ فلم ینکر التبدل بالباقی فی مسئلۃ اللحم مع جوازہ قطعاً علی المذہب الصحیح، وان اختیار ما صححہ فی الظہیریۃ وغیرہا من جواز تبدل الماکول بالماکول کاللحم بالحبوب واللبنون وغیرہ بغیرہ کالجملہ بالکتاب والجواب لا عکسہ فی الصور تین، فقد ترک هذا الوجه فی اللحم، وعلی کل فلم یحط بكل ما هو سائغ، ونظائر ذلك ان تتبعت اعیان عدہا کثراً واذلا حصر فلا مساع لان یقال اذا انتفی الاخیران تعین الاول وقد لوحظ بعض من هذا فی مطاوی کلامنا فی الوجه السابق۔

واقول ثالثان ابیتم الا الحصر فنبشونی افلا یجوز اهداء غنی، و لیس من الثلث، اولای يجوز الاعارة من فقیر او ملی و لیس منها اولای يجوز البیع بالدراهم للتصدق و لیس البیع للتصدق عین التصدق، فایز بقیۃ هذه فلیکن البیع بها لاجل التقرب ایضا من البواقی۔

وبالجملة فلا دلیل یظهر علی عدم جواز البیع لاجل القرب ولا علی وجوب التملیک

ہونا ثابت ہو، اور جس چیز کو ممانعت پر دلیل قائم ہے، وہ بیع بقصد قبول ہے، اور ان دونوں میں ہونے بعید ہے، اور قربانی کے اجزاء سے قصد تقرب جائز ہے، اور یہ بیع اسی لئے ہے، اس لئے اس کے جائز ہونے میں شبہ نہیں۔

اب ہم اسی پر بس کرتے ہیں، اور ابتدا و انتہا میں اپنے رب کی حمد کرتے ہیں، میں اپنے نفس کو غلط و لغزش سے بری نہیں گردانتا، اور غلطی ظاہر ہونے کے بعد میں اپنی رائے پر اصرار بھی نہیں کرتا، سبحان اللہ! میں کیا اور میری رائے کیا، نقصان ہی میری پونجی ہے اور غلطی شانِ بدگلی، لائقِ میری صفت اور عاجزی میرا شان، اگر یہ ٹھیک ہو تو میرے رب کی توفیق سے ہے، اور اسی کے لئے ہر دم تعریف، اور غلط ہو تو میرے گناہوں کی بُرائی، میں اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور اس کی حمد بجالاتا ہوں اور اسی کی حمد پر یہ رسالہ ختم ہوا۔

اس کا ایک لطیف نام (جس سے میرے طرغیت کے مطابق کتاب کا سنہ تالیف بھی ظاہر ہو) کی تلاش ہوئی تو اس کا نام الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ رکھا، اور یہ پنجشنبہ کے روزِ پاشت کے وقت ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۰۰ھ میں ہوا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے

اذا فعل ذلك، بل الدلیل ناطق بخلافه فان المانع انما هو قصد القبول وهذا بمعزل عنه، والمسوغ كما تبين بكلام الثبیین قصد القربة وهذا، فلنقتصر على هذا القدر، حامدين لربنا في الورد والصدور هذا اما ظهر لفهمي القاصر وفكري الغاف ومعاذ الله ان ابرئ نفسي من الخطا والزلل واصتر على رائي بعد وضوح الخلل وسبحن الله الیش انا والیش رائي، وانما النقص بضاعتی والخطا صناعتی، والجهرل صفتی، والجزس متی، فان اصبحت لمبتول فی ربی، وله الحمد فی کل انوار حیات، واما اخطات فبشوئ ذنبی، واسأل التوبة ارحم الراحمین، والحمد لله العزیز الوهاب، والصلاة والسلام على النبی الاواب والذو صبحه خیر آل واصحاب، واذا انتهت الرسالة بحمد ذی الجلالة وددت ان اسمیها بعلم لطیف، یکون علما علی عامر التالیف، کما هو دأبی فی جمیع التصانیف وقد جاءت بحمد الله تعالیٰ مختصرة، ومع الاختصار مطهرة مظهرة فناسب ان اسمیها "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" وكان ذلك ضحوة الخميس لیلۃ بقیت من ذی القعدة الحرام سنة الف وثلثمائة وسبع من

آل واصحاب پر ہزاروں سلام، جب تک
رات دن گزرتے ہیں، والحمد للہ رب
العالمین۔

ہجۃ المولیٰ سید الانام افضل صلاة و
اکمل سلام واجمل تحیۃ من الملک المنعم
علیہ وعلى آله وصحبه اکرام علی مراللیالی
والایام، والحمد للہ ذی الجلال والاکرام
کتبہ العبد المذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ النبی الاتی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مسئلہ ۲۹۴ از ریاست رامپور مدرسہ مطیع العلوم، مرسلہ محمد انام الدین صاحب ۱۵ صفر ۱۳۳۶ھ
دیہات میں قبل صلوٰۃ العید قربانی کرنا یا مرغ وغیرہ ذبح کرنا درست ہے یا نہیں، اور جزا وغیرہ پست کش
کو قربانی کے چمڑے کی قیمت مل سکتی ہے یا نہیں؟ اور میاں جی اور شاگرد جی بغیر طالب علم اس چمڑے کی قیمت کے
مصرف ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس قیمت کو مدرسہ و مسجد وغیرہ کے اسباب میں صرف کرنا درست ہے یا
نہیں؟ اور قربانی کرنے والا اپنے ہاتھ سے مال یعنی چمڑے کی قیمت تقسیم کر سکتا ہے یا نہیں؟

www.aliahat.org

مرغ کی قربانی مکروہ و تشبیہ بالجوس ہے، نہ اس سے واجب الصیاد ادا ہو سکتا ہے، اور جائز
قربانی شرعی وہ صبح ہی کر سکتے ہیں کہ ان پر نماز عید نہیں، اجرت جزا میں اس کی قیمت دینا جائز نہیں کہ
تمول ہے اور قربانی سے تمول ناجائز، اس چمڑے کا یہی حکم ہے جو اصل کا، کہ ادخار وایتجار دونوں جائز
ہیں، خواہ اس کی مشک بنوے یا کتابوں کی جلدیں، یا اسے مسجد یا مدرسہ دینیہ اہلسنت میں دے دے، یا
بنیت مصارف خیر یج کر اس کی قیمت مصرف خیر میں صرف کرے خواہ اپنے ہاتھوں سے یا اور کے ہاتھوں
سے، ہاں اگر اپنے لئے اسی داموں نے بیچا تو وہ دام خبیث ہیں، اور ان کی سبیل تصدق۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۹۵ از سلون ضلع رائے بریلی مرسلہ محمد طہ صاحب ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا ارشاد ہے علمائے کرام کا اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قربانی کی رسی و جھول صدقہ کرنا چاہیے،
اور حسب ذیل حوالہ پیش کرتا ہے (۱) شرح وقایہ جلد اول، کتاب الحج، باب الاحصار، بیان احکام الہدی
(۲) عمدۃ الرعاہ حاشیہ شرح وقایہ (۳) در مختار جلد اول، باب الہدی
(۴) ہدایہ جلد اول، کتاب الحج، باب الہدی (۵) قدوری، باب الہدی (۶) تنقیح الضروری حاشیہ قدوری
بکہ کہتا ہے کہ قربانی کی رسی و جھول صدقہ کرنے کی کتب فقہ میں کوئی دلیل نہیں، اور زید کے پیش کردہ
دلیل پر حسب ذیل اعتراض کرتا ہے:

اول شرح وقایہ و ہدایہ وغیرہ میں مسئلہ مجبوث عنہ کو باب الہدی میں بیان کیا ہے، حالانکہ یہ مسئلہ باب الاضحیہ سے تعلق رکھتا ہے، اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

دوم علی طریق التشریح یہ ثابت بھی ہو جائے تو لفظ خطام جس سے زید نے اپنا دعانا ثابت کیا ہے، تو کیا اس کے معنی کسی لغوی نے گراؤں یعنی رسی کے بیان کئے ہیں، ابن اثیر ابو عبیدہ کسی نے تصریح کی ہے خطام کے معنی گراؤں کے ہیں۔

سوم کتاب حمۃ الرعیہ نے خطام کے تصدق کرنے کے لئے ایک حدیث نقل کی ہے، اور کہا کہ اس حدیث کی بخاری اور مسلم نے تخریج کی ہے، تو کیا اس روایت سے خطام کے تصدق کا حکم ثابت ہوتا ہے، فقط تام ہوا کلام بکبر کا، پس دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ اور بکبر کے اعتراضات کے جواب کیا ہیں؟

الجواب

انفیاد شتر کے لئے دو طریقے معمول ہیں، ایک یہ کہ وسط بینی کے گوشت یا ایک طرف کے نتھنے میں سوراخ کر کے تانبے، چاندی، سونے کا حلقہ یا لکڑی یا بالوں کا بنا ہوا چھلا ڈالیں، اور مضبوط ڈور کا سرا اس میں اور دوسرے سرے میں رسی یا خود اس میں رسی باندھیں، اس حلقے کو برہ بضم موحده و فتح رائے مخففہ، اور لکڑی کو خشاں بالکسر، اور فارسی میں فہار بالفتح، اور بالوں کے چھتے کو عربی میں حرامی اور سب کو زمام بالکسر، نیز اس ڈور کو زمام اور اس رسی کو کہ اس میں باندھی جاتی ہے مقدر بالکسر، نیز اسے عربی و فارسی میں زمام و فہار، اور مجبوث کو ہندی میں نیکیل کہتے ہیں یہ اُس کے انفیاد کا اکمل طریقہ ہے، اور اکثر نا قہائے سواری میں یہی مستقل ہے کہ بے اس کے انفیاد تام نہیں ہوتا، اگر ادینے کا احتمال رہتا ہے، دوسرا یہ کہ رسی کا حلقہ اس کے گلے میں قریب گوش بار کی طرح ڈال کر منہ پر ناک کے قریب اس کا پھندا دیتے ہیں، عربی میں اسے خطام بالکسر، اور ہندی میں ٹمیر کہتے ہیں، نیز زمام معنی سوم بلکہ دوم بلکہ کبھی اول کو بھی خطام بولتے ہیں، تو خطام کے چار اطلاق ہوئے، مگر وہ رسی کہ گائے بھینس بکری کے گلے میں باندھی جاتی ہے، اُسے خطام کوئی نہیں کہتا، نہ مادہ خطام اُس کی مساعدت کرتا ہے کہ وہ خطم معنی بینی سے ماخوذ ہے۔ نہایہ ابن اثیر و مجمع البحار میں ہے،

اونٹ کی خطام یہ ہے کہ بکبر کی پھال یا بالوں یا کائی سے رسی بنا کر اس کے ایک طرف حلقہ بنا یا جائے پھر اس میں دوسرا کنارہ باندھا جائے تاکہ وہ حلقہ کی مثل ہو جائے، پھر اسے اونٹ کے گلے میں بار کی طرح ڈالا جائے پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹ دیا جائے، اور وہ باریک رسی جو

خطامہ البعیر ان یوخذ حیل من لیف او شعر او قطن فیجعل فی احد طرفیہ حلقۃ، ثم یشد فیہ الطرف الآخر حتی یصل الی الحلقۃ ثم یقلد البعیر ثم یثقی علی مخطمہ، واما ما یجعل

فی الالف دقیقا فهو الزمام

ناک میں ڈالی جاتی ہے وہ زمام ہے۔ (ت)

فقہ باب ۲۳ فصل ۳۶ میں ہے،

الخطام الجبل يجعل في طرفه حلقة ويقعد البعير ثم يثنى على مخطمه

خطام وہ رسی ہے جس کے ایک طرف حلقہ بنا کر اونٹ کے گلے میں باری طرح ڈالا جاتا ہے، پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح المنیر میں ہے،

خطام البعير معروف وسمى بذلك لانه يقع على خطمه

اونٹ کی مہار معروف چیز ہے اس کو خطام اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی ناک پر لگائی جاتی ہے (ت)

تاج العروس میں ہے،

قال ابن شميل هو كل جبل يعلق في حلق البعير ثم يعقد على انفه كان من جلد او صوف اوليف او قنب

ابن شميل نے کہا خطام ہر اس رسی کو کہتے ہیں جسے اونٹ کے گلے میں لٹکایا جاتا ہے پھر اس کی ناک پر لگا دی جاتی ہے یہاں وہ رسی چمڑے کی ہو یا اون کی جو یا گجور کی چھال کی ہو یا سن کی ہو۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے،

(خطامہ) هو جبل يجعل في عنق البعير ويثنى على انفه

(اس کی خطام) وہ رسی ہے جس کو اونٹ کی گردن میں ڈال کر اس کی ناک پر لپیٹ دیا جاتا ہے (ت)

قاموس میں ہے،

الخطم من الدابة مقدم انفها وفمها

چار پائے کا خنم اس کی ناک اور منہ کے اگلے حصے کو

لے مجمع بحار الانوار باب الخمار مع الطار تحت لفظ خنم مكتبة واد الايمان المدينة المنورة
النهاية لابن اثير باب الخمار " " المكتبة الاسلامية لصاحبها رياض

لے المصباح المنير الخمار مع الطار تحت لفظ خنم مصطفی البابی مصر
لے تاج العروس فصل الخمار من باب الميم دار احیاء التراث العربی بیروت
لے جامع الرموز کتاب الحج فصل الاحصار مكتبة اسلامية كنجد قاموس ايران

والخطام کل ما وضع فی انف البعیر ليقاد به لیه

کہتے ہیں، اور خطام اس شے کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے تاکہ اس کے ذریعے اونٹ کو کھینچا جاسکے۔ (ت)

تاج میں ہے، کذا فی البعیر (بحکم میں یوں ہی ہے۔ ت)۔ بحر الرائق میں ہے، الخطام هو الزمام وهو ما يجعل فی انف البعیر

خطام زمام ہی ہے اور یہ اس شے کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔ (ت)

درمیں میں ہے، الخطام الجبل الذی یقاد به البعیر

خطام وہ رستی ہے جس کے ذریعے سے اونٹ کو چلایا جاتا ہے۔ (ت)

مجمع البحار میں گزائی سے ہے، بخطامہ او بزمامہ وھا بمعنی، والشک فی تعینہ وهو یکسر فی خط یشد فیہ الحلقۃ السماء

(حدیث میں وارد ہونے والے الفاظ) اسکی خطام یا اس کی زمام دونوں ہم معنی ہیں، شک اس کی تعین میں ہے۔ اور خطام خار کے کسر کے

عنه ای فی حدیث البخاری فی کتاب العلم عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قعد علی بعیرہ وامسک انسان بخطامہ او بزمامہ۔ الحدیث ۱۲ منہ قدس سورۃ العزیز۔

یعنی امام بخاری نے کتاب العلم میں ابوبکر سے حدیث بیان کی ہے انھوں نے ذکر فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر بیٹھے اور ایک آدمی نے اونٹ کی ٹکلی کو تھام رکھا تھا، الحدیث ۱۲ منہ قدس سورۃ العزیز (ت)

۱۰۹/۴	مصطفیٰ البابی مصر	فصل الثامن من باب الجیم	لہ القاموس المحیط
۲۸۲/۸	دار احیاء التراث العربی بیروت	" " "	لہ تاج العروس
۴۲/۳	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	کتاب الحج باب الہدی	لہ بحر الرائق
			لہ الدر الثمین
۱۶/۱	قدیمی کتب خانہ کراچی	کتاب العلم باب من قعد حیث ینتی بہ المجلس	لہ صحیح البخاری

بالبرة، ويشد في طرفه المقود لي

ساتھ اس دھاگے کو کتے ہیں جس میں برہ نامی حلقے کو
باندھا جاتا ہے اور اس کے کناں سے رسی باندھی جاتی ہے۔ (ت)

نہایت نیز مجھ میں ہے،

البرة حلقة تجعل في لحم الانف، و ربما
كانت من شعريته

برہ وہ حلقہ ہے جو ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے
اور بسا اوقات وہ بالوں کا ہوتا ہے۔ (ت)

اس میں شرح جامع الاصول لمعتف سے ہے،
حلقة يشد بها الزمام

وہ ایک حلقہ ہے جس کے ساتھ زمام کو باندھا جاتا ہے۔ (ت)

نیز امام نووی سے ہے،

الزمام ما يجعل في انف البعير ديقا و قليل
ما يشد به رؤسها من جبل وسيرته

زمام اس باریک رسی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی
ناک میں ڈالی جاتی ہے، اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک

ایسی رسی یا تسمہ ہے جس کے ساتھ اونٹوں کے سر دل کو باندھا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح المنیر میں ہے،

قال بعضهم الزمام في الاصل الخيط الذي
يشد في البرة اذ في الخشاش ثم يشد

ان میں سے بعض نے کہا زمام اصل میں اس ڈوری
کو کہتے ہیں جسے برہ (حلقہ) یا لکڑی میں باندھا

جاتا ہے پھر اس میں مقود (رسی) کو باندھا جاتا
ہے پھر خود اس زمام کا نام مقود رکھا جاتا ہے۔ (ت)

اليه المقود ثم سمي به المقود نفسه

تاج العروس میں ہے،

الزمام هو الجبل الذي يجعل في البرة
والخشبة قال الجوهري اذ في الخشاش

زمام اس رسی کو کہتے ہیں جس کو حلقہ یا لکڑی میں ڈالا
جاتا ہے، جوہری نے کہا یا اس کو خشاش (لکڑی)

۴۲/۲	مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ	باب الخار مع الطار	لہ مجمع بحار الانوار
۱۸۴/۱	" "	باب البار مع الرار	" " "
۱۸۴/۱	" "	" "	" " "
۲۲۰/۲	" "	باب الزار مع الیم	" " "
۲۴۴/۱	معطی ابابائی مصر	الار مع الیم تحت الزمام	فہ المصباح المنیر

بالبرۃ، ویشد فی طرفہ المقود لہ

ساتھ اس وحائے کو کہتے ہیں جس میں برہ نامی حلقہ کو
باندھا جاتا ہے اور اس کے کنارے میں رستی باندھی جاتی ہے (ت)

نہایت نیز مجمع میں ہے

برہ وہ حلقہ ہے جو ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے
اور بسا اوقات وہ بالوں کا ہوتا ہے (ت)

البرۃ حلقۃ تبجعل فی لحم الانف ، و ربما
كانت من شعریۃ

اس میں شرح جامع الاصول لعنقہ سے ہے

وہ ایک حلقہ ہے جس کے ساتھ زمام کو باندھا جاتا ہے (ت)

حلقۃ یشد بہا الزمام لہ

نیز امام نووی سے ہے

زمام اس باریک رستی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی
ناک میں ڈالی جاتی ہے، اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک
ایسی رستی یا قسمہ ہے جس کے ساتھ اونٹوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے۔ (ت)

الزمام ما یجعل فی انف البعیر دقیا و قلیل
ما یشد بہ رؤسہا من جبل و سیرک

ایسی رستی یا قسمہ ہے جس کے ساتھ اونٹوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح المنیر میں ہے

ان میں سے بعض نے کہا زمام اصل میں اس ڈوری
کو کہتے ہیں جسے برہ (حلقہ) یا لکڑی میں باندھا
جاتا ہے پھر اس میں مقود (رستی) کو باندھا جاتا
ہے پھر خود اس زمام کا نام مقود رکھا جاتا ہے (ت)

قال بعضهم الزمام فی الاصل الخیمۃ الذی
یشد فی البرۃ او فی الخشاش ثم یشد
الیہ المقود ثم سمن بہ المقود نفسه

تاج العروس میں ہے

زمام اس رستی کو کہتے ہیں جس کو حلقہ یا لکڑی میں ڈالا
جاتا ہے، جوہری نے کہا یا اس کو خشاش (لکڑی)

الزمام هو الجبل الذی یجعل فی البرۃ
والخشبة قال الجوہری او فی الخشاش

۶۲/۲	مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ	باب الخار مع الطار	لہ مجمع بحار الانوار
۱۸۷/۱	" "	باب البار مع الراہ	۷ " " "
۱۸۷/۱	" "	" "	۸ " " "
۲۲۰/۲	" "	باب الزار مع الیم	۹ " " "
۲۷۲/۱	مصطفیٰ البابا مصر	الزار مع الیم	۱۰ " " "

ثم يشد في طرفه المقود وقد يسمى المقود
نظاماً

صراح میں ہے

خشايش بالکسر چوب کہ در بنی شتر کنند و ہر چ از
مس باشد آن را برہ گویند ، و آنچه از موسے آن
را خزامہ کہ

میں ڈالا جاتا ہے پھر اس کے کنارے میں دستی
باندھی جاتی ہے اور کبھی اس کی کانام زمام رکھا جاتا ہے

خشايش غام کے کسر کے ساتھ اس لکڑی کو
کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے ، پتیل
کی جوڑے اونٹ کی ناک میں ڈالتے ہیں اس کو برہ
کہتے ہیں اگر وہ بالوں کی ہوتو اسے خزامہ کہتے ہیں (ت)

اسی میں ہے : خطام بالکسر مہار (خطام کسر کے ساتھ مہار - ت) ، اسی میں ہے

زمام بالکسر مہار : درشتہ کہ در چوب بنی شتر بندند
برشتہ مہار بندند

زمام کسر کے ساتھ مہار اور وہ دھاگہ جو اونٹ کی
ناک میں ڈالی جوتی لکڑی کے ساتھ باندھتے ہیں
اور اس پر مہار باندھتے ہیں (ت)

برہان میں ہے

مہار بالفتح چوبیکہ در بنی شتر کنند و یہاں برہ بندند
اونٹ کی ناک میں ڈال کر اس پر ڈوری باندھتے ہیں (ت)

قائموس میں ہے : الخزامۃ ککتابۃ للعبۃ (خزامہ پروژن کتابتہ حلقہ کو کہتے ہیں - ت)

تاج میں ہے

وهی حلقة من شعر تجعل فی وسرة
انفہ يشد بہا الزمام کما فی

اور وہ (خزامہ) بالوں کے اس حلقہ کو کہتے ہیں جس کو
اونٹ کی ناک کے بانسہ میں ڈال کر اس کے ساتھ

۳۲۸/۸	دار احیاء التراث العربی بیروت	لہ تاج العروس	فصل الزمار من باب المیم
۲۵۷	مطبع مجیدی کانپور	لہ الصراح من الصحاح	باب الشین فصل الحار
۲۶۸	" " "	" " "	باب المیم فصل الزمار
۲۷۵	" " "	" " "	" " "
۱۰۶/۴	مصطفی البابی مصر	لہ القائموس المحيط	باب المیم فصل الحار

الصحاب ، وقال الليث ان كانت من صفر
فهي برة وان كانت من شعر فهي
خزامة يه

رسمی باندھی جاتی ہے جیسا کہ صحاح میں ہے۔ لیث
نے کہا اگر وہ حلقہ پتل کا ہو تو اس کو برہ اور اگر
وہ بالوں کا ہے تو اس کو خزامة کہا جاتا ہے (ت)

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے ،
ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
اھدی عام الحدیثیۃ فی ہدایا رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملاً کانت
لابی جھل فی راسا ، برة من فضة ،
وفی رواية من ذهب یغیظ بذلك
المشركین ۔

یشک نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث
و اے سال قربانی کے لئے جو اونٹ روانہ
فرمائے ان میں ایک اونٹ ابو جھل کا تھا جس کے
سر (ناک) میں چاندی کا ایک پھلّا تھا ، ایک
روایت ہے کہ سونے کا پھلّا تھا ، حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے مشرکوں کو جلانے کے لئے ایسا
کیا تھا۔ (ت)

مرقاۃ میں ہے ،
(فی راسہ) ای انفہ فان البرۃ حلقة
من صفر ونحوہ تجعل فی لحم
انف البعیر ، وقال الاصمعی فی احد
جانبی المنخرین لکن لما کان الانف من
الراس قال فی راسہ علی الاتساع یه

(اس کے سر میں) یعنی اس کی ناک میں ، کیونکہ برہ
پتل یا اس جیسی کسی شے کے ایسے حلقہ کو کہتے
ہیں جو اونٹ کی ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے
اور اسمعی نے کہا کہ وہ اونٹ کے نتھنوں کے
ایک طرف ڈالا جاتا ہے لیکن ناک چونکہ سر ہی کا
حصہ ہے اس لئے راوی حدیث نے بطور مجاز کہا کہ اس کے سر میں حلقہ تھا (ت)

مجمع البحار میں طیبی سے ہے ، جعلہ فی الوأس اتساعاً (اس حلقہ کو سر میں فترار دینا
بطور مجاز ہے۔ ت) سلمہ بن یحیم کی حدیث میں ہے ،

لہ مجمع العروس فصل النوار من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۴۳ - ۴۳ / ۸
لہ سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب فی الھدی آفتاب عالم پریس لاہور ۲۴۴ / ۱
لہ مرقاۃ المفاتیح " الفصل الثانی المکتبۃ المجلدیۃ کوئٹہ ۵۲۸ / ۵
لہ مجمع بحار الانوار باب البہار مع الزار مکتبۃ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱۴۸ / ۱

التي نحررت و بجلودها
دوم میں :

صدقہ کرنے کا حکم دیا جن کو ذبح کیا گیا تھا (ت)

امری فقست لحومها ثم امری فقست جلالها
وجلودها
پھر آپ نے مجھے حکم دیا تو میں نے ان کی جھلوں اور چمڑوں کو تقسیم کر دیا۔ (ت)
سوم میں :

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امرہ
ان یقوم علی بدنہ وان یقسم بدنہ کلہا
لحومها وجلودها وجلالہا
بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں
حکم دیا کہ وہ قربانی کے جانوروں کے پاس کھڑے
ہو جائیں اور ان کا گوشت، جھل اور چمڑے
سب تقسیم کر دیں (ت)

چہارم میں :

اھدی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
حانۃ بدنۃ فامر فی بلحومها فقستہا
ثم امر فی بجلالہا فقستہا ثم بجلودہا
فقستہا
خمس اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قربانی کیلئے
سواوت بیچے اور مجھے حکم دیا کہ میں ان کا گوشت
تقسیم کروں تو میں نے کر دیا، پھر مجھے ان کی جھلوں کو
تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کر دیا، پھر مجھے ان کے
چمڑوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کر دیا (ت)

صحیح مسلم میں تین سندوں سے :

امری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
ان اقوم علی بدنہ وان اتصدق لحمہا و
جلودہا واجلتہا
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا
کہ میں قربانی کے پاس کھڑا ہو جاؤں اور ان کے
گوشت، چمڑوں اور جھلوں کو تقسیم کر دوں (ت)

۲۳۰/۱	کتاب المناک باب الجلال لبدن	قدیمی کتب خانہ کراچی
۲۳۲/۱	باب لا یعطی الجزاء من الہدی شیئاً	قدیمی کتب خانہ کراچی
۲۳۲/۱	بالتصدق بجلود الہدی	" " "
۲۳۲/۱	یتصدق بجلال البدن	" " "
۲۳۳/۱	باب الصدقة بلحوم الہدایا وجلودہا وجلالہا	" " "

صحیح مسلم

اور دوسندوں سے مثل لفظ سوم بخاری و زاد فی المساکین (یہ لفظ زیادہ کئے کہ مسکینوں میں تقسیم کروں - ت) ان میں کہیں ذکر خطام نہیں، یہ مضمون صحیحین پر پیش ہے، اور نسبت الفاظ میں غلطی یہ کہ صیغہ امر جس طرح عمدة الرعاہ میں مذکور صحیحین بلکہ کتب متداولہ حدیث میں کہیں نہیں، جیسا کہ لامع و ارشاد الساری و شرح مؤطا سے ظاہر۔ علامہ قسطلانی نے فرمایا،

قال صاحب الکواکب وفيه انه لا يجوز بيع الجلال ولا جلود الهمدایا والضحایا کما هو ظاهر الحديث اذا الامر حقيقة في الوجوب اهـ، و تعقبه في اللامع فقال فيه نظر فذلك صيغة افعَل لا لفظ امر۔

صاحب کواکب نے کہا اس میں یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جھلوں اور کھالوں کی بیع جائز نہیں جیسا کہ حدیث کا ظاہر ہے کیونکہ امر حقیقتاً وجوب کے لئے ہے اھ۔ اور لامع میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں نظر ہے اس لئے کہ جو امر وجوب میں حقیقت ہے وہ صیغہ افعَل ہے نہ کہ لفظ امر۔ (ت)

شرح علامہ زرقاتی رحمہ اللہ: فیہ استحباب التجلیل والتصدق بذلک الجبل، و لفظ امر لا یقتضی الوجوب لان ذلک فی صیغۃ افعَل لا لفظ امر۔ اھ، و مرأتی کتبت علی ہامش الارشاد ما نصه: اقول لیس قولہ امر الاحکایۃ امرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا ان یقال یمکن ان یکون حکایۃ من مثل علیک التصدق۔

اس میں قربانی کے جانوروں پر جھل ڈالنے اور اس جھل کو صدقہ کرنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے اور لفظ امر وجوب کا تعاضاً نہیں کرتا کیونکہ وجوب کا متقاضی کو تو صیغہ افعَل ہے نہ کہ لفظ امر۔ اھ، مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ارشاد کے حاشیہ پر لکھا جس کی عبارت یہ ہے اقول (میں کہتا ہوں) اس کا امر کننا محض حکایت ہے اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ

ممکن ہے یہ حکایت ہو علیک بالتصدق (تجھ پر صدقہ لازم ہے۔ ت) جیسے الفاظ سے (ت)

- | | |
|-------|--|
| ۴۲۴/۱ | ۱۔ صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بطوم الہدایا و جلودہ الخ قیدی کتب خانہ کراچی |
| ۲۲۲/۳ | ۲۔ ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب الجلال للبدن دار الکتاب العربی بیروت |
| ۳۷۴/۷ | ۳۔ شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک کتاب الحج المکتبۃ التجاریۃ الکبری القاہرہ |

ذکر خطام کیلئے فقیر نے جتنی کتب حدیث اپنے پاس ہیں سب کی مراجعت چاہی، بارہ کتابیں دیکھی تھیں، پھر خیال آیا کہ درایہ امام حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی دیکھی جائے، اس میں ضرور اس سے تعرض فرمایا ہوگا، اسے دیکھا تو انہوں نے صاف فرمایا:

لہذا فی شئ من طرقہ ذکر الخطا۔ یہ میں نے اس حدیث کے کسی طریق میں ذکر خطام نہ دیکھا۔

بالجملہ صحیحین کی طرف اس کی نسبت لفظاً و معنی ہر طرح غلط ہے، ہاں ہدایہ باب الہدی میں حدیث انہیں العلماء سے مذکور، اور کتاب الاضعیہ میں بلفظ:

تصدق بجلالہا و خطا مہا ولا تعط اجر الجزار قربانی کے جانوروں کی بھٹوں اور باگوں کو صدقہ کر اور اس میں سے کچھ بھی تصاب کو بطور اجرت مت دے۔ (ت) منها شیئاً۔

اسی طرح کافی امام نسفی باب الہدی میں یہی لفظ دوم ہیں، الا لفظۃ الاخر (سوائے لفظ "آخر" کے۔ ت)، نیز بدائع امام ملک العلماء کتاب الاضعیہ میں، الا لفظۃ شیئاً (سوائے لفظ "شیئاً" کے۔ ت)۔

اقول تو حدیث ضرور کہیں مروی ہوئی، اور حافظ (ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ) کا اسے نہ دیکھنا نہ ہونے پر دلیل نہیں۔ امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں دو حدیثیں مذکور مشائخ ذکر کر کے فرمایا، قصور نظر نا اخفا ہما عنائے ہماری نظر کے قاصر ہونے نے ان دونوں کو ہم سے مخفی رکھا۔ (ت)

یونہی حافظ اثنان نے باوصف اس وسعت اطلاع کے نفی نہ فرمائی، یہ ائمہ کے ساتھ علماء کرام کا ادب ہے بخلاف جہاں زمانہ یعنی غیر مقلدین کہ کر یک سنگ سے بڑھ کر وقوت نہیں، اور ائمہ پر سلب مطلق کے دعوے، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

۱۔ الدراریۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ کتاب الحج باب الہدی المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل
۲۔ الہدایۃ کتاب الاضعیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ

۳۔ الکافی شرح الوافی
۴۔ بدائع الصنائع کتاب التفضیۃ فصل واما بیان ما یستحب الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۵۔ فتح القدر

توحید مذکور میں صدقہ خطام کا عند اللہ حکم ہے مگر وہ حدیثاً و فقہاً صرف جلال و خطام شتران ہدی کے بارے میں ہے، قربانی کی گائے بکریوں کی جھولوں اور ان کے گلے کی رسیوں کا ذکر درکنار، جہاں تک نظر کی جاتی ہے شتران اضمیہ کے جلال و خطام کا بھی کہیں ذکر نہیں، اب رہا قیاس، وہ مجتہد سے خاص، اس کا کسے اختیار اور دلالت النص اقول اس کی بھی گنجائش نہیں، نہ اضمیہ من کل الوجوہ معنی ہدی میں ہے نہ یہ جھولیں ان جلال سے نہ گلے کی رسیاں اس خطام کے مثل۔

اول تو ظاہر کہ ہدی کے لئے عمل خاص ہے یعنی حرم محترم اس کے غیر میں ہدی کو ذریعہ و نحر نہیں کر سکتے،

قال اللہ تعالیٰ ثم محلها الى البيت العتيق
وقال تعالیٰ هدياً بالغ الكعبة

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا پھر ان (ہدی کے جانوروں) کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہدی ہو کعبہ تک پہنچی۔ (ت)

اور قربانی ہر جگہ ہو سکتی ہے، تو ہدی میں بہ نسبت اضمیہ خصوصیت خاصہ ہے اگرچہ اصل مقصود یعنی تقرب باراقۃ دم میں مساوی ہیں، لہذا ایک استبعاد کہ اصل اضمیہ تقرب یعنی لحم و جلہ میں جہاں کیساں ہو اور زوائد و مضائق کی طرف جو سرایت صاحب حرص میں ہوتی، اضافی میں نہ ہو، و لہذا بدان ہدایہ و کافی وغیرہ میں حدیث ہدی سے دربارہ لحم و جلہ اضمیہ استناد کیا، اور جلال و خطام اضمیہ کا کسی نے ذکر نہ کیا، حالانکہ حدیث ہدی میں چاروں حکم موجود تھے، اضمیہ میں ان دو پر اقتصار اور ان دو کا ترک، اور اس ترک و اقتصار پر اتفاق کتب آخر کس نے۔

دوم یہ کہ وہ جھولیں معمولی سردی وغیرہ کی جھولیں نہ تھیں جو اپنے موسم پر ہر پالے ہوئے جانور کیلئے بنائی جاتی ہیں اگرچہ وہ گاڑی میں جوتے کے پیل ہوں، وہ خاص شتران ہدی کے لئے بنتیں، اور روانگی حرم کے وقت ان پر ڈالی جاتی ہیں، اور ان کے لئے ان کا بنانا سنت ہے، تعلیق و اشعار کی طرح شعار اللہ ہدی کی علامت ہوتی ہے، بد نہ ہدی کے گلے میں نعلین وغیرہ بٹے ہوئے قلا دے ڈالتے اور بالتخصیص اونٹوں پر قلا دے کے ساتھ جھولیں بھی ڈالتے، اور ان کے کوبان میں خفیف نیزہ مار کر خون نکالتے، یہ ان کے ہدی ہونے کی علامتیں تھیں۔

علمائے کرام نے فرمایا، ان جھوٹوں کا اپنی حیثیت تمول کے مناسب ہونا مستحب ہے، ہدی بھیجنے والے جیسی استطاعت رکھتا ہو ویسی ہی بیش قیمت جھولیں بنائے کہ مساکین کا زیادہ نفع اور شعائر کی زیادہ تعظیم ہو۔ سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان پریش ہاکپڑوں کی جھولیں ڈالتے اور مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر آثارِ کرۂ کر کے رکھ چھوڑتے، عرفہ کے دن پھر پہناتے اور بعد نماز انھیں کعبہ معظمہ کا غلاف کرتے جب سے بیتِ مکرم کا غلاف مستقل تیار ہونے لگا انھیں مساکین پر تصدق کرتے۔

علماء فرماتے ہیں کہ راتوں کو یہ جھولیں آثارِ کر رکھ لی جائیں کہ کانٹوں سے ان میں کھوٹا نہ لگے، ان میں سے کون سا حرفِ قربانی کی معمولی جھولوں پر صادق ہے کہ یہ ان کے معنی میں ہوں۔
امام اجل ابو زکریا نووی قدس سرہ شرح صحیح مسلم میں زیر حدیث مذکور فرماتے ہیں،

فی هذا الحديث فوائد كثيرة، منها استحباب سوق المهدى وانه يتصدق بلحومها وجلودها وجلالها وانها تجللوا استحباب ان يكون جلا حسنا، قال القاضى التجليل سنة وهو عند العلماء مختص بالابل وهو مما اشتهر من عمل السلف قالوا ان يكون بعد الاشعار لئلا يتلطف بالدم قالوا ويستحب ان تكون قيمتها ونفاستها بحسب حال المهدى، وكان بعض السلف يجلل بالوشى وبعضهم بالخبرة وبعضهم بالقباطى والملاحف والامر، قال مالك اما الجلل فتزعم في الليل لئلا يخرقها الشوك، قال واستحب ان

اس حدیث میں بہت سے فائدے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں قربانی کے جانور کو روانہ کرنے کا استحباب اور یہ کہ قربانی کے جانوروں کے گوشت، چمڑوں اور جھلیاں کو صدقہ کیا جائے، اور یہ کہ ان جانوروں کو جھل پہنائی جائے، اور مشائخ نے اس بات کو مستحب قرار دیا کہ وہ جھل عمدہ ہو۔ قاضی نے کہا کہ جھل پہنانا سنت ہے۔ اور علماء کے نزدیک وہ اونٹوں کے ساتھ مختص ہے، اور یہ اسلاف کا مشہور عمل ہے۔ مشائخ نے کہا کہ اشعار یعنی کوبان میں نیزہ مار کر خون نکالنے کے بعد جھل پہنائی جائے تاکہ وہ خون میں لٹھڑ جائے، نیز انھوں نے کہا کہ جھل کا قیمت و عمدگی میں قربانی روا نہ کرنے والے کی حیثیت کے مطابق ہونا مستحب ہے۔ بعض اسلاف منقش کپڑوں، بعض یعنی چادروں، بعض مصر کے بنے ہوئے قیمتی کپڑوں، لحافوں اور عمدہ چادروں کی جھلیں پہنایا کرتے تھے۔ امام مالک نے فرمایا، جھلوں کو رات

كانت الجلال مرتفعة ان لا يجللها حتى يغدو الى عرفات ان كانت بشمن يسير فمن حين يحرم يجلل به (ملخصاً)
 قبل نہ پہنائے اور اگر وہ کم قیمت والی ہوں تو اعرام باندھے وقت ہی پہنادرے (ملخصاً)۔ (ت)
 امام علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

الجلال جمع جل وهو الذي يطوم على ظهر الحيوان من الابل والفرس والحمار والبغل، وهذا من حيث العرف، و لكن العلماء قالوا ان التجليل مختص بالابل من كساء ونحوها، قال ابن بطال كان مالك وابو عبيدة والشافعي يرون تجليل البदन

جلال جل کی جمع ہے، اور وہ اس شے کو کہتے ہیں جو اونٹ، گھوڑے، گدھے اور بچر وغیرہ جانوروں کی پشت پر ڈالی جاتی ہے، یہ عرف کے اعتبار سے ہے، لیکن علماء نے فرمایا کہ کپڑے وغیرہ جمیل پہنانا صرف اونٹ کے ساتھ مختص ہے ابن بطال نے کہا کہ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ ہدی کے جانوروں پر جمل ڈالنے

کو جائز سمجھتے تھے۔ (ت)

امام جلیل ابوالبرکات لسنی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

فان كانت بدنة قلدها بمزادة او نعل والتقليد احب من التجليل لان التقليد ذكر في القرآن قال الله تعالى ولا تقلدوا ولا ذكر للتجليل فيه، وان كان كلاهما ثابتاً بالسنة لان هدايا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كانت مقلدة مجللة، ولانه قد تجلل البدنة لاعلى وجه التقرب بخلاف التقليد

اگر ہدی کا جانور (اونٹ یا گائے) ہو تو اس کو چمڑے یا نعل کا یا ہار پہنائے اور ہار پہنانا جمل پہنانے سے زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ ہار پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ولا تقلدوا (اور نہ وہ جنہیں ہار ڈالے گئے) اور جمل پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے اگرچہ دونوں سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے ہدی کے جانوروں کو ہار اور جمل پہنائے گئے تھے، اور اس لئے بھی کہ جمل کبھی بلا نیت تقرب لے شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقة بلوم الهدايا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۲۲-۲۲۳
 عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسک باب الجلال للبدن ادارة الطباعة المنيرية بیروت ۱۴۰۴/۲۵، ۲۵
 لکھ اسکا فی شرح الروافی

پہنائے جاتے ہیں بخلاف ہار پہنانے کے (کہ یہ بغیت تقرب ہی ہوتا ہے)۔ (ت)
 موطا شریف میں ہے،

حضرت امام مالک نے حضرت نافع سے روایت کیا کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہدی کے جانور کو مصری چادروں، اونی کپڑوں اور حلوں کی جھلیں پہناتے پھر ان جھلوں کو کعبہ شریف بھیج کر غلاف کعبہ بناتے۔ امام مالک سے مروی ہے حضرت عبداللہ بن زینار سے پوچھا گیا کہ جب کعبہ شریف کو مستقل کپڑے کا غلاف پہنایا جائے لگا تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قربانی کے جانوروں کی جھلوں کو کیا کرتے تھے، تو انہوں نے کہا وہ ان کو صدقہ کر دیتے تھے۔ (ت)

ابن المنذر نے بطریق اسامہ ابن زید نافع سے روایت کی کہ

بیشک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے ہدی کے جانوروں کو اونی کپڑوں، وحاری دار اور منقش یعنی چادروں کی جھلیں پہناتے تھے یہاں تک کہ وہ جانور جب مدینہ منورہ سے نکلتے تو آپ ان جھلوں کو اتار لیتے اور لپیٹ کر رکھ دیتے، جب عرفہ کا دن آتا پھر وہ جھلیں جانوروں کو پہنا دیتے، جب انھیں ذبح فرماتے پھر جھلیں اتار لیتے، بعد ازاں ان کو صدقہ کر دیتے۔ حضرت نافع نے کہا کہ بعض اوقات بنی شیبہ کی طرف بھیج دیتے۔ (ت)

ان بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کان یجسل بدنه الانماط والبرود والحبو حتی یخرج من المدینة ینزعها فیطویہا، حتی یکون یوم عرفة فیلبسها ایاها حتی ینعمرها ثم یتصدق بها، قال نافع و ربما دفعها الی بنی شیبہ۔

اقول اور اس پر ایک دلیل واضح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الودع شریف

لے موطا الامام مالک کتاب الحج باب العمل فی البدیعیین یساق میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۳۰۰
 لے شرح الزرقانی علی الموطا بحوالہ ابن المنذر " " " " دار المعرفہ بیروت ۳۲۷/۲
 فتح الباری بحوالہ ابن المنذر کتاب المناسک باب الجلال للبدن " " " " ۳۳۹/۳

میں تلواد نٹ ہدی بھیجے، ان پر جمہولیں تھیں کہ حکم اقدس بعد نحر تصدق کی گئیں کما تقد مر عن صحیح البخاری (جیسا کہ صحیح بخاری سے گزرا — ت) حجۃ الوداع شریف کھلی بہار کے موسم میں تھا، فقیر نے حساب کیا ۹ ربوی الحجۃ سلمہ ہجریہ روز جمعہ کو چھٹی مارچ ۱۳۳۲ھ تھی، ولہذا علماء اسے ماہ تحویل حمل میں بتاتے ہیں۔ صحیح بخاری میں خطبہ حجۃ الوداع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہم ذی الحجۃ کو ارشاد فرمایا،

الزمان قد استدار کھینٹا یوم خلق اللہ السموات والارض، وفيه قوله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعلموا شہر هذا قلنا اللہ ورسوله اعلموا قال الیس ذوالحجۃ، قال فاعلموا یوم هذا، قلنا اللہ ورسوله اعلموا قال الیس یوم النحر؟

زمانہ اس دن کی ہیئت پر گردش کر رہا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا، اسی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد وہی ہے کہ یہ کون سا مہینہ ہے، ہم (صحابہ) نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کیا یہ ذوالحجۃ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ کون سا دن ہے، ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا یہ یوم النحر نہیں ہے۔ امام ابن حجر نے فتح الباری کتاب بدائع الفلق میں، پھر امام قسطلانی نے ارشاد الساری میں نقل کیا کہ یہ ارشاد اقدس تحویل حمل کے مہینے میں تھا،

حيث قال نراعهم يوسف بن عبد الملك في كتابه تفضيل الازمنة ان هذه المقالة صدرت من النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم في شهر مارس، وهو ادا من جہاں فرمایا کہ یوسف بن عبد الملک نے اپنی کتاب تفضیل الازمنہ میں کہا ہے بیشک رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ گفتگو مارچ کے مہینے میں صادر ہوئی جس کا نام رومی میں آدار اور

یعنی اس وقت کی تعبیر میں، ورنہ آغاز سن عیسوی کے حساب دسویں مارچ تھی، جیسا کہ ہم نے اپنے ایک رسالہ متعلقہ ”تحقیق سال عیسوی“ میں ثابت کیا ۱۲ منہ قدس سرہ

اور زیچ اجد بہادر خانی، دوزیکوں سے نصف النہار حقیقی مکہ معظمہ دہم ذی الحجہ سنہ ہجریہ مطابق بازار دہم ذی الحجہ وسطیہ روز شنبہ کی تقویم شمس نکالی، دونوں سے حوت کے اکیسویں درجے میں آئی اول سے حوت کے بیس درجے سینتیس دقیقے اسیس ثانیہ، دوم سے بیس درجے پچتیس دقیقے پچاس ثانیہ، بلاشبہ اس تقویم کا موسم ان ملکوں خصوصاً مکہ معظمہ اور اس کے قریب العرض شہروں میں نہایت معتدل موسم ہوتا ہے، نہ رات کو برف نہ دن کو ٹو، نہ ہر سات کی مکھیاں، تو جن حاجات کے لئے جھولیں ڈالے ہیں

۱۲۵۱-۱۰ = ۱۲۴۱ فاضل برتھانیف سی ۱۱ و تضاف ۱۲۳۰ + ۳۰ = ۱۲۶۰

ج	وسط	ج	اوج
۶	د م لو ط	با	مر ی ط
ب	لو ح با مط	ن	مہ ل
۵	لم ل ر ح	ما	نہ نف ط
و	ما تب لم س	ح	ی مد ح لم
ی	ک ک ر لم	ب	ط ہر ہ مط
ط	نا لم لم	ا	ما

ما بین الطوین ستہ ندر

ا	ب	ن	ح	ل	م
ط	م	ل	ح	ن	ط
م	ل	ح	ن	ط	م
ط	م	ل	ح	ن	ط
م	ل	ح	ن	ط	م
ط	م	ل	ح	ن	ط
م	ل	ح	ن	ط	م
ط	م	ل	ح	ن	ط

فرق بین ۱۲ منہ قدس سہ

عہ خیال ایسا ہی تھا کہ اس مہینہ میں تاریخ وسطی، ہلال سے ایک مقدم ہے استخراج تقویمات کے بعد دیکھا تو نہ مہینہ مطابقت پر آیا، قریہ تقویم ۱۱ ہی ذی الحجہ کی ہوئی، بہر حال مطلوب حاصل ہے کہ ۱۰ کی تقویم ایک درجہ کم حوت کے بیسویں ہی درجہ میں رہی۔ منہ قدس سہ

بہ بازارے ۱۲۰۰

۶۰

بازار ۱۱ سال تصاعداً

بتفریق آن ازیں بہرہ

سنہ

+ ذی الحجہ

+ ۱۱ یوم ناقص

بازار سہرت نہ قدمنہ

بازار ایں و تعدیل ایام و قدح ر

حصہ اش از وسط لونہ لم

+ حصہ تعدیل ایام زائد

تعدیل المرکز

x وسط

تقویم

حالانکہ ضرور وقتِ نحر بُدّوں کے بدن پر پھٹیں، بلکہ وہی طریقہ مسنونہ نحر کی ضامن ہوئیں۔
صحیحین میں زیادہ بن جبر سے ہے،

سأیت ابن عمر اقی علی سرجل قد انساخ
بدنه یخول البعثما قیاما مقیدۃ سنة محمد
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا آپ ایک
ایسے مرد کے پاس آئے جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر
نحر کر رہا تھا، انھوں نے فرمایا اس کو کھڑا کر کے
باندھو یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
سنت ہے۔ (ت)

عمدة القاری میں ہے،

مقیدۃ معناه معقولة برجل وہی قائمۃ
علی الثلاث ین
مقیدہ کا معنی ہے کہ رشتی سے اس کا ایک پاؤں
باندھا ہوا ہو اور وہ تین پاؤں پر کھڑا ہو۔ (ت)
بالجملہ اگر کوئی اپنا گھر تصدق کر دے اور اس پر قادر ہو، ممانعت نہیں، کلام اس میں ہے
کہ قربانی کی جھولیں رسیاں تصدق کرنے کا حکم ہے، اس کا کہیں ثبوت نہیں، نہ حدیث میں نہ فقہ میں،
ومن ادعی فعلیہ البیان (جو دعویٰ کرے دلیل بیان کرنا اس پر لازم ہے۔ ت) ولہذا آج تک
مسلمانوں میں کہیں اس کا رواج مسموع نہیں، البتہ اگر کوئی شخص تعظیم ضحایا کے لئے اُن پر جھولیں ڈالے
اور انھیں حسبِ حیثیت مزین و بیش بہا کرے، اور اُس سے شعائر اسلام کی زینت اور فقرائے مسلمین
کی منفعت چاہے تو ضرور اُسے ان جھولوں کے تصدق کا حکم دیا جائے گا، اور اُس سے باز رہنا اُسے
شفیع ہوگا کہ اللہ عزوجل سے وعدہ کر کے رجوع نہ ہو، کہا بینا فی فناء ونا و باللہ التوفیق (جیسا کہ
ہم نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیا اور توفیق اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔